ملحد کا اوورکوٹ

بریخت

مترجم، ڈاکٹر مبارک علی

نامور مورخ ڈاکٹر مبارک علی کی تاریخ پر مستند کتابیں

تاریخ اور دانشور	ڈاکٹر مبارک علی
المیہ تاریخ	ڈاکٹر مبارک علی
سندھ : خاموشی کی آواز	ڈاکٹر مبارک علی
آخری عہد مغلیہ کا ہندوستان	ڈاکٹر مبارک علی
علماء اور سیاست	ڈاکٹر مبارک علی
تاریخ اور فلسفہ تاریخ	ڈاکٹر مبارک علی
تاریخ شناسی	ڈاکٹر مبارک علی
شاہی محل	ڈاکٹر مبارک علی
تاریخ اور عورت	ڈاکٹر مبارک علی
تاریخ کھانا اور کھانے کے آداب	ڈاکٹر مبارک علی
اچھوت لوگوں کا ادب	ڈاکٹر مبارک علی
تاریخ اور نجی زندگی	ڈاکٹر مبارک علی
تاریخ کی روشنی	ڈاکٹر مبارک علی
برصغیر میں مسلمان معاشرہ کا المیہ	ڈاکٹر مبارک علی
کیتھارینا بلوم کی	ہائنورش بول
کھوئی ہوئی عزت (ناول)	مترجم ڈاکٹر مبارک علی

مُلحد کا اوور کوٹ

برٹولٹ بریخت

ترجمہ

ڈاکٹر مبارک علی

۱۸۔ مزنگ روڈ، لاہور

نام کتاب ہٹلر کا اوورکوٹ
مترجم ڈاکٹر مبارک علی
پبلشرز فکشن ہاؤس
18_ مزنگ روڈ لاہور
فون: 7237430 ، 7249218
پرنٹرز پریمیئر پرنٹرز لاہور
سرورق ریاظ
اشاعت 1996ء
قیمت 75 روپے

فہرست

تعارف

برٹولٹ بریخت 10 فروری 1898ء میں آؤس برگ میں پیدا ہوا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب جرمنی کو متحد ہوئے 27 سال ہوئے تھے اور اس عرصہ میں اس کی آبادی 61 سے بڑھ کر 65ء ملین ہو گئی تھی۔ نہ صرف آبادی کی وجہ سے بلکہ سیاسی و معاشی و سماجی حالات نے بھی جرمن معاشرہ میں انقلابی تبدیلیاں کر دیں تھیں۔ اب تک وہ معاشرہ کہ جس کی بنیاد زراعت پر تھی' اب کسانوں اور دست کاروں کی جگہ' سائنس دانوں اور فنی ماہرین نے لے لی تھی۔ انہوں نے جرمن معاشرے کو صنعتی بنا دیا تھا۔ صنعت و حرفت کی ترقی نے دیہات کی اہمیت کا کمزور کر دیا اور کھیت مزدوروں نے شہروں کی طرف رخ کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے ان کی آبادی میں بے تحاشا اضافہ ہو گیا' اس کے ساتھ صنعتکار و مزدور اور ریاست و عوام کے تعلقات میں بھی تبدیلی آنی شروع ہو گئی۔ سرمایہ داری کی بنیادیں مضبوط ہوئیں تو اس نے قوم پرستی کو فروغ دیا۔ اور قوم پرستی نے جرمن قوم کی امنگوں کو آگے بڑھایا۔ یہی وہ حالات تھے کہ جن میں جنگ ناگزیر بن گئی۔ تاکہ اس کے ذریعے سے جرمن قوم عظمت و بڑائی کو حاصل کر سکے۔

برتولڈ بریخت نے جرمنی کی اس بدلتی ہوئی صورت حال میں آنکھیں کھولیں۔ میونک یونیورسٹی میں اس نے میڈیسن اور سائنس کی تعلیم حاصل کی اور پہلی جنگ عظیم کے موقع پر میڈیکل سروس میں خدمات سرانجام دیتے ہوئے اس نے جنگ کی ہولناکیوں کو دیکھا۔ ہسپتالوں میں میدان جنگ میں زخمی ہونے والے فوجیوں کی اذیت اور قربانی نے اس سوال کو ذہن میں پیدا کیا کہ یہ سب کچھ کیوں؟ کس لئے' اور کس کے واسطے؟

پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی کو شکست کے المیہ سے گزرنا پڑا۔ اس جنگ میں جرمنی نے وہ سب کچھ کھو دیا کہ جو اس نے جرمنی کے اتحاد کے بعد سے حاصل کیا تھا۔ یہ

نہ صرف فوجی شکست تھی بلکہ معاشی اور سماجی بدحالی تھی کہ جس نے ہر فرد کو مجبور کیا کہ وہ جنگ کی قیمت ادا کرے۔ معاشرے کی اس ٹوٹ پھوٹ اور عدم استحکام کا نتیجہ تھا کہ جرمنی میں نازی جماعت کا عروج ہوا۔ ہٹلر کی سیاسی کامیابی میں نہ صرف جرمنی کے صنعتکار و سرمایہ دار شریک تھے بلکہ اسے یورپی اور امریکی سرمایہ داروں کی بھی حمایت حاصل تھی۔ یورپ اور امریکہ ہٹلر کو جرمنی کو طاقتور بنا کر اسے روس سے لڑانا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہٹلر کی ابتدائی جارحانہ سرگرمیوں کو قبول کر لیا۔ انہوں نے ہٹلر کے خلاف اس وقت جنگ لڑی جب خود ان کا وجود خطرے میں پڑ گیا۔

جب جرمنی میں ہٹلر کی حکومت مستحکم ہو گئی تو اس نے ریاست کا درجہ گھٹا کر نازی پارٹی کو ملک کا سب سے مضبوط ادارہ بنا دیا۔ اب پارٹی کا مقصد ریاست کی خدمت کرنا نہیں بلکہ ریاست کا کام تھا کہ وہ پارٹی کے مفاد کے لئے کام کرے۔ لہٰذا پارٹی کے نظریات اور مفادات کی خلاف ورزی غداری کے مترادف تھی۔ ہٹلر نے پارٹی کو مقبول عام بنانے اور لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے جو طریقے اپنائے ان میں جلسے و جلوس، نوجوان عورتوں اور بچوں کی جماعتیں، یونیفارم، موسیقی، گیت اور جوشیلی تقاریر تھیں کہ جنہوں نے پوری جرمن قوم میں قوم پرستی اور شخصیت پرستی کے جذبات کو ابھارا۔ ہٹلر ایک ایسی بھرپور شخصیت کے روپ میں ابھرا کہ جو جرمن قوم کا نجات دہندہ اور مسیحا تھا۔ نازی پارٹی نے پروپیگنڈے کے نئے طریقوں کو اپنایا۔ یک طرفہ بیانات اور دلائل نے پوری قوم کی سوچ کو ایک ہی دھارے پر ڈال دیا۔

ایک مرتبہ جب مخالفین غدار اور جرمن قوم کے دشمن بن گئے تو پھر انہیں جیلوں میں ڈالنا، اذیت دینا۔ اور قتل کرنا سب جائز ہو گیا۔ خاص طور سے نازی پارٹی کا نشانہ وہ دانشور جنہوں نے پارٹی کے اغراض و مقاصد سے انحراف کیا۔ وہ دانشور کہ جو خاموش رہے یا جنہوں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا انہیں پارٹی نے باقی رہنے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منحرف دانشوروں کو جرمنی چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لینی پڑی۔ اس وسیع پیمانہ پر ہجرت کی وجہ سے جرمنی کے سماجی و ثقافتی ادارے اور یونیورسٹیاں بنجر ہو گئیں۔ علم و ادب کا ایک ہی مقصد رہ گیا کہ پارٹی کے مفادات کے لئے کام کیا جائے۔

نازی پارٹی کے اقتدار کے زمانہ میں بریخت کو بھی جرمنی چھوڑنا پڑا، کیونکہ نہ

صرف یہ کہ اس کی کتابوں پر پابندی لگا دی گئی تھی بلکہ اس کے لئے ناممکن ہو گیا تھا کہ وہ آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کر سکے۔ جلا وطنی کا زمانہ اس نے آسٹریا' ڈنمارک' سویڈن' فن لینڈ' امریکہ اور سوئزر لینڈ میں گذارا۔ جلاوطنی کے اس پورے عرصہ میں وہ اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ نازی ازم اور فاشزم کے خلاف لڑتا رہا۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد اسے اتحادیوں کی جانب سے مغربی جرمنی نہیں آنے دیا' اس لئے وہ مشرقی جرمنی میں رہا۔ جنگ کے بعد اس کی تمام مصروفیات تھیٹر کے لئے تھیں۔ 14 اگست 1956ء کو اس نے وفات پائی۔

بریخت ڈرامہ نگار' کہانی نویس' مضمون نگار اور شاعر کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اس نے اپنی تحریروں کے ذریعے مظلوم اور کچلے ہوئے عوام میں شعور پیدا کیا اور ادب کو عوام کے مفادات کے لئے استعمال کیا۔ اس کی وہ تمام تحریریں جو فاشزم کے خلاف ہیں۔ ان میں وہ شخصیت پرستی کی مخالفت کرتا ہے۔ جن معاشروں میں شخصیتیں چھا جاتی ہیں وہاں لوگوں کی تخلیقی صلاحیتیں دب جاتی ہیں۔ جس طرح ایک چھاؤں دار درخت کے نیچے اور کوئی پودہ یا درخت سرسبز نہیں رہتا' یہی صورت حال عظیم شخصیتوں کی تشکیل سے ہوتی ہے۔ اپنے مشہور ڈرامے گلیلیو اس نے خاص طور سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شخصیتیں قوموں کو پس ماندگی کی طرف لے جاتی ہیں۔

بریخت کے سامنے ہٹلر کی شخصیت بھی تھی کہ جس نے اپنے زور بیان اور شخصیت کے اثر سے پوری جرمن قوم کے ذہنوں پر قبضہ جما لیا تھا اور لوگ جذبات میں مدہوش اس کی تقلید کر رہے تھے۔ شخصیت پرستی ہی کی وجہ سے مخالفت اور اظہار رائے پر پابندی ہو جاتی ہے۔ یہی وہ حالات تھے کہ جن میں بریخت اس بات پر زور دیتا ہے کہ دانشوروں کو پارٹی و ریاست کے جبرے لڑنا چاہئے۔ اردگرد پابندیاں ہوں تو ان کے خلاف نئے راستے تلاش کرنا چاہئیں۔

وہ غیرجانبدارانہ رویہ کے بھی خلاف ہے' کیونکہ یہ رویہ ریاستی جبر کو تقویت دیتا ہے۔ اس لئے ریاستی جبر و تشدد کے خلاف مزاحمت ضروری ہے۔ اس کے بغیر معاشرے کے جمود کو نہیں توڑا جا سکتا۔

بریخت نے جو کچھ لکھا اس کے پس منظر میں جرمنی کے حالات تھے۔ مگر ایسے تمام

معاشروں میں کہ جہاں فاشزم کی روایات ہوں اور جہاں ایک نظریہ کی حکمرانی ہو وہاں بریخت کی تحریریں پر اثر ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں بریخت قبول عام شخصیت کے طور پر ابھرا۔ خصوصیت سے اس کے ڈرامے جنہوں نے کسی نہ کسی شکل میں پاکستانی معاشرے کی عکاسی کی۔ کیونکہ پاکستانی معاشرہ بھی ابتدا ہی سے جمہوری سازشوں اور بیوروکریسی کے چنگل سے نکل کر فوجی آمریت کی گرفت میں آگیا تھا۔ لیکن جب یہاں جمہوری حکومتیں قائم بھی ہوئیں تو انہوں نے فاشزم کے انہیں ہتھکنڈوں کو استعمال کیا کہ جو فوجی آمروں کے محبوب ہتھیار تھے۔ مثلاً" شخصیت پرستی' اظہار رائے پر پابندی' ریاستی پروپگنڈہ' اور مخالفوں کو غدار بنانے کا عمل جمہوری ادوار میں بھی ہوتا رہا۔

اس وقت پاکستانی معاشرہ جس صورت حال سے دوچار ہے وہ یہ کہ ریاستی پروپگنڈے اور ذرائع ابلاغ عامہ نے ایک نظریاتی سچائی کو قائم کر دیا ہے۔ جب بھی کسی معاشرے میں صرف ایک سچائی ہو تو اس صورت میں دوسری سچائیوں کو تلاش کرنے کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ ایک سچائی ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتی ہے یہ وقت و حالات میں بدلتی رہتی ہے' لہذا ذہنی انقلاب کے لئے ضروری ہے کہ سچائیوں کی جستجو جاری رہے۔ صرف ایک سچائی کا غلبہ معاشرہ کو ایک جگہ جما دیتا ہے اور اس کی وجہ سے تمام تخلیقی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس کے بعد ہمارے ہاں روایات کے تحفظ پر زور دیا جاتا ہے بغیر یہ سوچے ہوئے کہ روایات قطعی مقدس نہیں ہوتی ہیں۔ کہ اگر روایات کو محفوظ کر لیا جائے تو اس کے ساتھ معاشرے کی حرکت بھی رک جائے گی۔ کیونکہ یہ روایات ہر جدید چیز کی مخالفت کریں گی اور معاشرے کو آگے بڑھنے سے روکیں گی۔ اس وقت ہمارے ہاں روایات کے تحفظ کا مطلب یہ ہے کہ جاگیردارانہ قدروں کو باقی رکھا جائے اور ہر اس نئی چیز کی مخالفت کی جائے کہ جس سے ان قدروں کو خطرہ ہو۔

جب معاشرہ ایک ہی جگہ باقی رہتا ہے تو اس میں حکمران طبقے بھی نہیں بدلتے ہیں۔ یہ مراعات یافتہ طبقے قدیم روایات کے سہارے خود کو مستحکم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے جو بھی اس نظام کے خلاف بات کرتا ہے تو وہ ان کے نزدیک غداروں کے مترادف ہو جاتا ہے۔ اس لئے مخالفت کو ختم کرنے کے لئے ان کے پاس ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ وہ

ہے تشدد کا۔ چونکہ مخالف' دشمن اور غدار ہے۔ اس لئے اسے سختی کے ساتھ کچل کر تباہ و برباد کر دیا جائے یا اسے اس حالت میں لے آیا جائے کہ جہاں وہ ان کی مرضی کے مطابق رہنے پر آمادہ ہو جائے۔

پاکستان میں یہ امید کی جاتی تھی کہ جب جمہوریت آئے گی تو وہ آمرانہ حکومت کی نشانیوں کو ہٹا کر جمہوری اداروں کو مضبوط کرے گی۔ مگر ہوا یہ کہ ان جمہوری حکومتوں نے نہ صرف آمرانہ نشانیوں اور علامتوں کو باقی رکھا بلکہ انہیں اپنے مفادات کے لئے استعمال بھی کیا۔ شخصیت پرستی نے خوشامدیوں اور چاپلوسی درباریوں کو پیدا کیا۔ اظہار رائے اور تنقید پر پابندیاں لگیں۔ مخالفوں کو غدار کہا گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ دانشوروں کو خریدا گیا اور انہیں پارٹی اور شخصیت کا امیج بنانے کے لئے استعمال کیا گیا۔ فاشزم کی پارٹی اور پارٹی کی لیڈر شپ ریاست سے بڑھ گئی۔ ایک مرتبہ جب ریاست کمزور ہو گئی تو پھر اس کے تمام ادارے پارٹی کی ذاتی ملکیت بن گئے۔ اس طرح ہمارے ہاں جمہوریت نے بھی فاشزم کی صورت اختیار کر لی۔

ہمارا معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے کہ جہاں دکھ' تکلیف' اذیت اور محرومی ہر ایک کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔ ہم دکھ کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک چکے ہیں۔ اس لئے اگر سمجھوتہ کے بعد ہمارے سامنے آسائشیں اور سہولتیں آئیں تو ان سے انکار مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی کچھ حال ہمارے دانشوروں کا ہے کہ جو سمجھوتہ کر کے اپنے دکھوں اور اپنی محرومیوں کا علاج ڈھونڈ لیتے ہیں۔ خاص طور سے اگر حکومت پر جمہوریت کا ٹھپہ ہو تو سمجھوتہ کرنے میں اور آسانی ہو جاتی ہے۔ جب دانشور معاشرے کے مفادات سے منہ موڑ کر اپنے مفادات کو ترجیح دینے لگیں تو پھر معاشرے سے علم و ادب کی عزت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وہ صورت حال ہے کہ جس سے آج ہم دوچار ہیں۔

----------○----------

سچ کہنے کی پانچ مشکلات

آج کے زمانہ میں اگر کوئی جھوٹ اور جہالت کے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہے اور سچ لکھنا چاہتا ہے تو اسے کم از کم پانچ مشکلات پر قابو پانا پڑے گا۔ اس کے لئے لازمی ہو گا کہ جرات مند ہو تاکہ سچ لکھ سکے اور کسی کے دباؤ میں نہیں آئے۔ ہوشیار ہو تاکہ اپنی بات خوبصورتی سے کہہ سکے' فن میں ماہر ہو' اپنے فیصلہ کا اظہار اس طرح کرے کہ جو موثر ہو' اس میں چالاکی بھی ہو کہ سچ بھی کہے اور پکڑا بھی نہ جا سکے۔ سچ کہنے کی یہ پانچ مشکلات فاشٹ حکومتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہیں' خاص طور سے ان کے لئے جو ان حکومتوں کے اندر رہتے ہیں' حالانکہ جو جلاوطن ہیں۔ یا ملک سے بھاگے ہوئے ہیں' انہیں بھی ان مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے' بلکہ وہ لوگ بھی اس سے دوچار ہوتے ہیں۔ جو کہ نام نہاد بورژوا و آزادی والے ملکوں میں رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو شخص سچائی لکھنا چاہتا ہے وہ نہ تو کسی کے دباؤ میں آنا پسند کرتا ہے اور نہ ہی خاموش رہتا' اور نہ ہی وہ جھوٹ بات کہنا چاہتا ہے اس لئے سچ کہنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ نہ سوچے کہ اپنے سچ سے صرف طاقتور کو جھکائے' بلکہ یہ سوچے کہ اپنے عمل سے کمزور کو دھوکہ نہ دے۔ اس طرح جرات کے ساتھ نچلے طبقوں کی بات کرے اور ان کی محرومیوں کو سامنے لے کر آئے۔ مثلاً" جب کسان مشکلات میں گھرا ہوا ہو۔ تو اس کی مشکلوں کے حل کی بات کی جائے مشینوں اور سستے کھاد کے بارے میں اسے بتایا جائے اور اسے مستقبل کی تابناکی کے بارے میں مشورہ دیا جائے۔

یا جب یہ کہا جائے کہ ایک غیر تعلیم یافتہ آدمی تعلیم یافتہ سے بہتر ہے تو اس وقت جرات سے یہ سوال پوچھا جائے کہ وہ کس کے لئے بہتر ہے؟ ہمارے معاشرے میں لوگ عمومی انصاف اور عمومی آزادی کی بات کرتے ہیں کہ جس کے لئے انہوں نے خود کچھ نہیں

کیا۔ وہ سچائی صرف اس کو جانتے ہیں، جو چیز انہیں اچھی اور خوش نما لگتی ہو۔ حالانکہ سچائی

جانتے کہ اصل سچائی کیا ہوتی ہے سچائی جرات اور مطالعہ مانگتی ہے، محض دکھلاوے کی باتوں سے سچائی تک نہیں پہونچا جا سکتا ہے۔

سچائی کو لکھنے کے لئے صرف جرات ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے علاوہ ایک اور چیز جو بہت ضروری ہے وہ یہ کہ سچائی کو کسی طرح سے تلاش کیا جائے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ سچائی کو پانا کوئی سہل کام نہیں ہے۔ دوسرے یہ بھی کوئی آسان بات نہیں کہ اس بت کا فیصلہ کیا جائے کہ کون سا سچ ایسا ہے جس کو بیان کیا جائے، اور جس کے بیان کرنے سے کچھ فائدہ ہو گا مثلاً" یہ تو سب کو معلوم ہے کہ کس طرح دنیا کی بڑی بڑی مہذب ریاستیں وحشی قبیلوں کے سامنے نہیں ٹھہرسکیں اور ختم ہو گئیں، اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ خانہ جنگی جو مہلک ہتھیاروں سے لڑی جاتی ہے اپنے پیچھے انتشار اور لاتعداو مسائل چھوڑ جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سچائی ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی اور سچائیاں ہیں، مثلاً" یہ کہ کرسی کی سطح برابر ہوتی ہے اور یہ کہ بارش اوپر سے نیچے کی جانب ہوتی ہے۔ اکثر شاعر اسی قسم کی سچائی لکھتے ہیں اور یہی حال آرٹسٹوں کا ہے۔ جو ایک ڈوبتے ہوئے جہاز کی تصویر بناتے ہیں اور اپنے عمل سے طاقتوروں کو ناراض نہیں کرتے اور یہی لوگ اپنی تصویریں مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے یہ لوگ سچائی کو نہیں پا سکتے۔

ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو نہ تو طاقتور سے ڈرتے ہیں، اور نہ غربت و مفلسی سے خوف دکھاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود سچائی کو نہیں پا سکتے ہیں۔ دراصل ان میں علم کی کمی ہوتی ہے اور یہ قدیم توہمات میں گرفتار رہتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا ایک پیچیدہ چیز ہوتی ہے اس لئے نہ تو وہ واقعات سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ان کے باہمی اثرات سے۔ اس لئے اس وقت کے تمام لکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ زمانہ کی تبدیلی، مادی جدلیاتی عمل، معاشیات اور تاریخ سے واقف ہوں۔ جو کتابوں اور عملی تجربات سے سیکھتا ہے وہی کئی سچائیوں کو اجاگر کر سکتا ہے۔

اگر آدمی تلاش میں ہو تو وہ بغیر مدد کے بھی سچائی تلاش کر سکتا ہے۔ لیکن ایک

ایسی سچائی کہ جس کو لوگ معلوم کرنا چاہتے ہیں' اس کے لئے کوشش کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ وہ سچائی ہے جو لوگوں کو شعور دیتی ہے۔ اس لئے لوگوں کا کام سچائی بیان کرنا ہونا چاہئے' ضروری نہیں کہ وہ سچائی کو پروان بھی چڑھائیں۔

سچائی کو اس کے نتائج کی روشنی میں بیان کرنا چاہئے۔ اور اس نقطہ و نظر کے ساتھ کہ ہم اس سے کیا سبق سیکھ سکتے ہیں۔ اس کو اس طرح سے سمجھنا چاہئے کہ سرمایہ داری اور سوشلزم کے ساتھ ساتھ فاشزم ایک تیسری قوت بن کر ابھرا ہے' اس طرح فاشزم ایک تاریخی مرحلہ ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں داخل ہو گیا ہے' اور سرمایہ داری فاشٹ ممالک میں موجود ہے' اس لئے کوئی بھی جب تک سرمایہ داری کے خلاف نہ ہو' وہ فاشزم کی مخالفت کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ فاشزم کے خلاف ہونا اور سرمایہ داری کی حمایت کرنا' دونوں باتوں کا ساتھ مشکل ہے یہ ایسا ہے کہ لوگ بچھڑے کا گوشت کھانا پسند کریں' مگر یہ پسند نہ کریں کہ بچھڑے کو ذبح بھی کیا جائے۔

اس لئے سچ لکھنے کے لئے فن کی بڑی ضرورت ہوتی ہے کہ ظالمانہ قوانین کے خلاف اس طرح سے لکھا جائے کہ اس نے جن چیزوں کو چھوڑ دیا ہے اس کا اندازہ قاری کو خودبخود ہو جائے' اور جب وہ سچائی کو اس طرح بیان کرے کہ' بیان نہ کی ہوئی باتیں پہچان لی جائیں' تو پھر خراب صورت حال کے خلاف جنگ کی جا سکتی ہے۔

صدیوں سے لکھنے کے عمل میں' لکھنے والا یہ سوچنے لگا ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اور لکھتا ہے' کیا وہ سننے والے یا پڑھنے والے سنتے اور پڑھتے ہیں' حالانکہ وہ جب بولتا ہے تو بہت کم تعداد اسے سنتی ہے' اور وہ بھی جو اسے سنتے ہیں' وہ اس کا کہا ہوا تمام کا تمام نہیں سنتے۔

سچائی کے لئے ضروری ہے کہ اسے لکھنے و پڑھنے والا دونوں ہی پہچان سکیں۔ اگر کوئی سچ بولے' تو سچ کو سننے والے بھی موجود ہونے چاہئیں۔ اس لئے لکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ وہ کس کے لئے لکھ رہے ہیں۔ ہمیں خراب صورت حال پر اس وقت لکھنا چاہئے جب ہمیں اس کا تجربہ ہو' اور ان لوگوں کو مخاطب کیا جائے جو مسائل سے گھرے ہوئے ہوں۔

سچائی جنگ لڑنے والی چیز ہے کیونکہ یہ نہ صرف جھوٹ کے خلاف لڑتی ہے بلکہ ان

لینن جسے زار کی پولس نے تنگ کر رکھا تھا اس نے روسی بورژوا استحصال اور ظلم
کو جو انہوں نے جزیرہ زخالین میں کر رکھا تھا' اس طرح بیان کیا کہ اس نے روس کی جگہ
"جاپان" اور زخالین کی جگہ "کوریا" لکھا اور پڑھنے والوں کو جاپانی نظام میں روسی استحصال
طریقے نظر آئے جو وہ زخالین میں استعمال کر رہے تھے۔ یہ تحریر ممنوع قرار نہیں دی گئی

جرمنی کے بارے میں بیان نہیں کی جا سکتی' وہ بات آسٹریا کے بارے میں لکھ کر کی جا سکتی ہے۔

والیٹر نے چرچ کے اعتقادات اور معجزوں کے خلاف جنگ لڑی' اس سلسلہ میں اس نے اور --- لین کی ایک نوجوان خاتون پر نظم لکھی اور اس معجزہ کا ذکر کیا کہ یوہانہ فوجیوں اور راہبوں کے درمیان ایک مدت رہی' اور اس کے باوجود وہ کنواری کی کنواری رہی۔

شکسپیر کے ہاں بھی چالاکی کا ایک نمونہ ہم اس تقریر میں دیکھتے ہیں جو انھونو نے سیزر کی لاش پر کی۔ وہ بار بار اس بات کو دھراتا ہے کہ سیزر کا قاتل بروٹس ایک قابل احترام شخص ہے لیکن پھر وہ اس قتل کے عمل کو بھی دہراتا ہے اور اس کا یہ بیان موثر ہوتا ہے۔

ایک مصری شاعر نے جو چار ہزار سال قبل گزرا ہے' سچ کہنے کے لئے اس نے بھی اس قسم کے طریقے استعمال کئے تھے۔ اس کا دور طبقاتی کشمکش کا اہم دور تھا۔ اور حکمران طبقے عوامی دباؤ میں آئے ہوئے تھے۔ اس موقع پر دربار میں ایک دانشمند آتا ہے اور حکمران و امراء کے سامنے اندرونی دشمنوں اور خطرات سے انہیں آگاہ کرتا ہے' اپنے طویل بیان میں وہ اس بے چینی کا ذکر کرتا ہے جو نچلے طبقوں میں پائی جاتی تھی۔ اس کا بیان اس قسم کا ہے۔

اور یہ اس طرح سے ہے کہ اونچے لوگ شکایتیں کر رہے ہیں' جب کہ نچلے طبقوں کے لوگ خوشی سے بھرپور ہیں ہر شخص یہ کہتا ہے کہ ہم اپنے شہر سے طاقتوروں کو نکال باہر کرنا چاہتے ہیں۔

اور یہ اس طرح سے ہے کہ دفتروں کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اور وہاں سے تمام کاغذات لے لئے گئے ہیں' اور کسان اب ہر پیپرس کے مالک بن بیٹھے ہیں۔

اور یہ اس طرح سے ہے کہ معزز خاندان کا لڑکا اب پہچانا نہیں جاتا' اور مالکہ کا لڑکا اب غلام کے لڑکے کے برابر ہو گیا ہے۔

اور یہ اس طرح سے ہے کہ معزز شہری اب چکی چلا رہے ہیں' اور انہیں وہ دن دیکھنا پڑ رہے ہیں جن کے بارے میں انہوں نے سوچا تک نہیں تھا۔

اور یہ اس طرح سے ہے کہ قربانی کے لئے رکھے ہوئے خوبصورت صندوق توڑ دیئے گئے ہیں اور بستروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں۔

دیکھو! رہائش گاہ کو ایک ہی گھنٹہ میں تہس نہس کر دیا گیا۔

دیکھو! ملک کے غریب امیر ہو گئے ہیں۔

دیکھو! جس کے پاس کھانے کو روٹی نہیں تھی اب اس کے پاس کھلیان ہیں' اس کا گودام بتاتا ہے کہ کبھی اس کا مالک کوئی اور تھا۔

دیکھو! آدمی وہی اچھا ہوتا ہے جو اپنا کھانا کھاتا ہے۔

دیکھو! جس کے پاس اناج کا ایک دانہ نہیں تھا' اب وہ گوداموں کا مالک بنا بیٹھا ہے اور جو اناج مانگنے کے لئے پیالہ لئے رہتا تھا' اب خود اناج تقسیم کر رہا ہے۔

دیکھو! جس کے پاس بیلوں کی ایک جوڑی نہ تھی۔ اب وہ مویشیوں کے گلے رکھتا ہے' جس کے پاس ہل چلانے کو جانور نہیں تھے۔ اب اس کے پاس ریوڑ ہیں۔

دیکھو! جو اپنے لئے ایک کمرہ تعمیر نہیں کر سکتا تھا۔ اب اس کے پاس پورا مکان ہے۔

دیکھو! وہ جو پناہ ڈھونڈتے تھے اور چار دیواری کو ترستے تھے اب وہ بستروں میں سوتے ہیں۔

دیکھو! وہ جو کبھی کشتی کو ترستے تھے' اب جہازوں کے مالک ہیں' اور انہیں دیکھ کر کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ کے اصل مالک نہیں۔

دیکھو! گندے لوگ اب کپڑوں میں نظر آرہے ہیں جس کے پاس چیتھڑے تھے اب وہ ریشمی کپڑوں میں ملبوس ہے۔

امیر لوگ پیاسے سو رہے ہیں' اور وہ جو کبھی ان کے کرم کا محتاج تھا اب اچھی بیر پیتا ہے۔

دیکھو! اور وہ کبھی سمجھتا بھی نہیں تھا' اب اس کے پاس موسیقی کے آلات ہیں' جن کے سامنے کوئی گانا پسند نہیں کرتا تھا' اب وہ موسیقی کی تعریف کرتے ہیں۔

دیکھو! وہ عورت جو پانی میں اپنی شکل دیکھتی تھی' اب اس کے پاس آئینہ آگیا ہے۔

دیکھو! طبقہ اعلیٰ کے لوگ ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے ہیں۔ اب بڑے لوگوں کے پاس کوئی ملنے والا نہیں آتا۔

جو کبھی قاصد تھا' اب وہ دوسروں کو کام کے لئے باہر بھیجتا ہے۔

دیکھو! وہاں پر پانچ ہیں' اور ان کے مالک انہیں کام سے بھیجنا چاہتے ہیں مگر انہوں

نے جواب دیا کہ تم خود کام کرو' ہم ذرا مصروف ہیں۔

جوناتھن سوفٹ اپنے ایک پمفلٹ میں امیروں کو مشورہ دیتا ہے کہ ملک کے خوش حال بنانے' اور بھوک کا روگ مٹانے کے لئے غریبوں کے بچوں کا گوشت نمک لگا کر محفوظ کر لینا چاہئے' سوفٹ اس انسانی نفسیات سے بخوبی واقف تھا کہ جب انسان پر کسی بات کا اثر نہ ہو تو اس وقت ایسی بات کرنی چاہئے کہ وہ چونک پڑے۔ فکر کا پروپگنڈا کس بھی ذریعہ سے ہو' اسے مظلوموں کے لئے استعمال کیا جانا چاہئے۔

جہاں بھوک اور افلاس ہو ایک ایسے ملک میں وطن کے وقار اور دفاع کی بات کرنا باعث شرم ہوتا ہے جہاں لوگوں کو کھانے کو نہ ملے۔ وہاں کام کے لئے کہنا کہاں کی شرافت ہے؟ یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ ایسے معاشرے میں بھوکوں کو پیٹو کہا جاتا ہے۔ جن میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ دفاع کر سکیں انہیں بزدل کہا جاتا ہے۔ جو اپنی محنت کا معاوضہ چاہتے ہیں انہیں کاہل اور ست کہا جاتا ہے۔ ایسی حکومتوں میں فکر' پستی کی آخری حدیں چھو لیتی ہے۔ فکر کی پستی کے ساتھ معاشرے کی ہر قدر اور خوبی پست ہو جاتی ہے۔

لیکن ان حالات کے باوجود ایسے مواقع اور پہلو ہوتے ہیں کہ سچی بات کہی جا سکتی ہے' اگر ملک میں آزاد حکومتیں ہوں اور جنگ کی باتیں ہوں تو جنگ اور جنگی حربوں کے ذریعہ فکری بات کہی جا سکتی ہے' مثلاً" غذائی اشیاء میں ملاوٹ' جنگ کے لئے نوجوانوں کی غلط تربیت' پھر جنگ کے بارے میں چالاکی کے ساتھ ان سوالات کو ابھارا جائے کہ کیا جنگ معقول چیز ہے؟ اور اگر یہ ایک غیر معقول چیز ہے تو پھر خود کو کس طرح سے ایسی جنگ سے بچایا جائے۔

اسی طرح علوم کی دوسری شاخوں میں' تحقیق اور ایجادات فکر کی راہیں کھولتی ہیں مثلاً" حیوانیات کے شعبہ میں جب ڈراون نے نئی نئی باتیں دریافت کیں' تو اس نے استحصال کو لوگوں کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں کر دیا اس کو نہ تو چرچ پکڑ سکا' اور نہ پولیس۔ پچھلے دنوں شعبہ طبیعات میں جو ایجادات ہوئی ہیں۔ انہوں نے ان بنیادی اعتقادات پر ضرب لگائی ہے جن کے ذریعہ فکر کو کچلا جاتا ہے۔ پروشیا کی ریاست میں جس منطق کو تخلیق کیا' اس کے نتیجہ میں مارکس اور لینن پیدا ہوئے۔ اور انہوں نے اسی منطق سے پرولتاری انقلاب کی راہیں ہموار کیں۔

سچائی کے لئے لڑنے والے ایسے ہتھیار استعمال کر سکتے ہیں' اور وہ پہلو تلاش کر سکتے ہیں کہ جو گرفت میں نہ آئیں' مگر پہلے اس بات کا فیصلہ کرنا چاہئے کہ سچ بھی لکھا چاہئے یا نہیں؟ ایک ایسی سچائی کہ جو ماضی کے بارے میں اور تبدیل ہوتے ہوئے ماحول کے بارے میں سوالات کر سکے۔ حکمران طبقے ہمیشہ سے تبدیلی کے زبردست مخالف رہے ہیں' ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ہر چیز ہزاروں سال تک اپنی جگہ پر برقرار رہے۔ چاند اسی طرح ساکت رہے اور سورج ذرا بھی اپنی جگہ سے نہ کھسکے۔ تاکہ نہ تو کسی کو بھوک لگے۔ اور نہ کوئی شام کا کھانا کھانے کی خواہش کرے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ اپنے ہر مخالف کو ختم کر دیں' اور ان کی گولی آخری گولی ہو۔ اس لئے تغیر و تبدل کی بات کرنا آمرانہ حکومتوں کے لئے خطرناک سوچ ہوتی ہے' لیکن اس بات کو ایسے طریقوں سے بیان کیا جا سکتا ہے کہ پولیس بے بس ہو جائے مثلاً" یہ بات بیالوجی اور کیمسٹری کے ذریعہ بخوبی کہی جا سکتی ہے۔

ہمارے عہد میں بربریت و ظلم کا دور دورہ ہے' نجی جائیداد اور ذرائع پیداوار پر طاقت و قوت کے ذریعہ قبضہ کیا ہوا ہے' جب ہم جرات کے ساتھ اس سچائی کو بیان کرتے ہیں تو ہم بہت سے دوستوں سے محروم ہو جاتے ہیں لیکن ہمیں اس ظالمانہ صورت حال پر سچائی کے ساتھ بولنا چاہئے اور یہ بتانا چاہئے کہ اس ملکیت کی صورت حال کو کیسے تبدیل کیا جائے؟ ہمیں ان لوگوں کے بارے میں بھی بولنا چاہئے جو نجی ملکیت کے بوجھ تلے اذیت اٹھا رہے ہیں' ہمیں ان کی حالت کو بدلنے میں دلچسپی لینا چاہئے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو کبھی ذرائع پیداوار کے مالک نہیں بنیں گے۔

ہم ان پانچ مشکلات کو ایک مقصد کے لئے استعمال کریں' اور سچائی کو اس انداز میں کہیں کہ دشمن اسے نہ پاسکے اور سچ کہنے والے کو نہ روک سکے۔

لکھنے والوں سے اس بات کی خواہش کی جاتی ہے کہ وہ ہر حالت میں سچائی کو ظاہر کریں اور اس کی بات کریں۔

(نوٹ: یہ مضمون تلخیص کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے۔)

لفظ

پہلی سرزمین جو ہٹلر نے فتح کی وہ جرمنی تھی۔ پہلی قوم جسے اس نے کچلا وہ جرمن قوم تھی۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ جلاوطنی کی وجہ سے تمام جرمن ادب ختم ہو گیا ہے تو صحیح نہیں ہے' لیکن یہ ضرور صحیح ہے کہ حالات نے جرمن ادب اور قوم کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔

چین کی قدیم شاعری آج تک موجود ہے' ان میں سے ان شاعروں کی شاعری بھی زندہ ہے کہ جنہیں حکومت نے مجبور کیا کہ وہ اپنے علاقوں کو چھوڑ دیں۔ لی تائے پو کم از کم ایک مرتبہ جلاوطن ہوا۔ توشو کم از کم دو مرتبہ اور پو چوئی تین مرتبہ۔ دیکھا گیا ہے کہ صرف ایک جگہ مستقل رہنا ادب کا مقصد نہیں ہوتا' اور نہ ادب صرف ادب کے طور پر مقبول ہوتا ہے۔ اس قسم کے اقدامات جب کسی حکومت کی جانب سے کئے جاتے ہیں۔ تو میرے نزدیک یہ ادیبوں کے لئے اعزاز کی بات ہوتی ہے۔ یہی صورت حال اس وقت جرمن ادب کی ہے کہ جسے جلاوطن کیا جا رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جرمن ادب اس صورت حال کو قوت و توانائی کے ساتھ برداشت کرے گا۔ کچھ مصنفین بائبل کی اس آیت کو بطور اقتباس لکھتے ہیں کہ "ابتداء میں صرف لفظ تھا" مجھے اس میں جو اہم معلوم ہوتا ہے وہ صرف "لفظ" ہے۔

تاریخ کے سوالات

وہ کون تھا کہ جس نے تھیبس کے سات دروازے تعمیر کئے؟
کتابوں میں تو صرف بادشاہوں کے نام لکھے ہیں۔
کیا یہ بادشاہ تھے کہ جنھوں نے کھردری چٹانوں کو گھسیٹا تھا؟
بابل کا شہر کہ جسے کئی بار تباہ و برباد کیا گیا۔
ہر بار اسے کس نے تعمیر کیا؟
وہ کون سے سنہری روشنی والے مکانات تھے کہ جن میں مزدور رہا کرتے تھے!
اس شام وہ کہاں چلے گئے کہ جب دیوار چین مکمل ہوئی۔
دیوار! اور عظیم روم۔
جو کہ فتح کے شادیانوں سے گونج رہا تھا۔
یہ سیزر کن پر فتوحات کی خوشی منا رہے تھے؟
خوشی کے نغمے گانے والے بازنطینی! کیا ان سب کے رہنے کے لئے صرف محلات تھے؟
اس طرح جیسے کہ رات میں سمندر ٹکراتا ہے' شراب میں مدہوش وہ اپنے غلاموں پر ڈھاتے ہیں۔
نوجوان' سکندر نے ہندوستان فتح کیا۔
کیا اس نے اکیلے ہی فتح کیا؟
سیزر نے گال قوم کو شکست دی۔
کیا اس کے پاس کم از کم کوئی باورچی بھی نہیں تھا؟
جب سمندری بیڑہ ڈوبا تو اسپین کا فلپ رویا۔

کیا اس کے علاوہ رونے والا اور کوئی نہیں تھا!
فریڈرک دوم جنگ ہفت سالہ میں جیت گیا۔
اس کے علاوہ اور کون جیت سکتا تھا؟
ہر جانب فتح ہے۔
ہر دس سال میں ایک عظیم ہستی۔
لیکن کن لوگوں کی قیمت پر۔
ڈھیر ساری تفصیلات۔
اور ڈھیر سارے سوالات۔

میرا بھائی ایک پائلٹ تھا

میرا بھائی ایک پائلٹ تھا۔
ایک دن اس کے پاس ایک کارڈ آیا۔
اس نے بکس میں اپنا سامان بھرا۔
اور جنوب کی جانب روانہ ہو گیا۔
میرا بھائی فاتح ہے۔
ہماری قوم کو زمین کی ضرورت ہے۔
جگہ اور زمین حاصل کرنا۔
ہمارا ایک پرانا خواب ہے۔
وہ جگہ کہ جو میرے بھائی نے فتح کی۔
وہ پیمائش میں چند گز ہے۔
یہ چھ فٹ لمبی اور پانچ فٹ گہری ہے۔

دو سالہ عورت

جب میرے دادا کا انتقال ہوا ہے تو اس وقت میری دادی کی عمر 72 سال کی تھی۔ میرے دادا باڈن (BADEN) کے ایک چھوٹے سے شہر میں بیتھو پریس کے مالک تھے جس میں دو یا تین ملازم ان کے ساتھ کام کرتے تھے' جب کہ میری دادی گھر کا سارا کام کاج بغیر کسی ملازمہ کے خود ہی کرتی تھیں۔ دکان کی دیکھ بھال' صفائی' اور گھر کے تمام افراد کے لئے کھانا پکانا انہیں کے ذمہ تھا۔

وہ ایک چھوٹی' اور دبلی پتلی عورت تھیں' جن کی محبت کرنے والی چمکتی آنکھیں تھیں۔ وہ بہت کم بولتی تھیں' ان کے سات بچے ہوئے' جن میں سے دو تو بچپن ہی میں مر گئے' اور پانچ کو انہوں نے غربت و مفلسی کی حالت میں پال پوس کر بڑا کیا۔ بچوں کی پیدائش اور مسلسل محنت نے انہیں سکیڑ کر چھوٹا کر دیا تھا۔

ان کے بچوں میں سے دو لڑکیاں تو امریکہ چلی گئیں' اور دو لڑکے روزگار کے سلسلہ میں ان سے دور ہو گئے۔ سب سے چھوٹا لڑکا جس کی صحت ہمیشہ خراب رہتی تھی وہ ان کے پاس اسی شہر میں رہ گیا۔ وہ ایک پریس میں کام کرتا تھا' اور اپنے بڑے خاندان کے ساتھ مشکل سے گزارا کرتا تھا۔ اس طرح وہ میرے دادا کے مرنے کے بعد اکیلی رہ گئیں۔ ان کے بچے اکثر ان کی تنہائی کے سلسلہ میں ایک دوسرے کو خطوط لکھتے' اور ایک تو انہیں اپنے ساتھ گھر میں رکھنا بھی چاہتا تھا' جب کہ چھوٹا لڑکا مع اپنے خاندان کے ان کے گھر میں آ کر رہنے کا خواہش مند تھا' مگر انہوں نے کبھی ان کے مشوروں پر کان نہیں دھرا' وہ صرف اتنا چاہتی تھیں کہ اگر ان کے لڑکے انہیں تھوڑی بہت مالی مدد دے سکیں تو یہی بہت ہے۔ بیتھو پریس جو عرصہ ہوا پرانا ہو چکا تھا' اس کو فروخت کرنے پر انہیں کچھ زیادہ نہیں ملا' اور جو تھوڑا بہت ملا وہ بھی چڑھا ہوا قرضہ اتارنے میں پورا ہو گیا۔

ان کے بچے اکثر انہیں لکھتے رہتے تھے کہ انہیں بالکل تنہا نہیں رہنا چاہئے لیکن
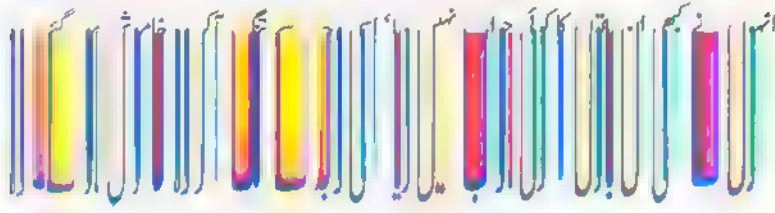
ہر مہینہ اپنی ماں کو تھوڑا بہت پیسہ بھیج دیا کرتے تھے۔ اور پھر ان کا یہ خیال بھی تھا کہ آخر ان کا چھوٹا بھائی تو اسی شہر میں رہتا ہے۔

چھوٹے بھائی نے اپنے ذمہ یہ کام لیا کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کو اپنی ماں کے بارے برابر لکھتا رہتا تھا۔ میرے چھوٹے چچا کے ان خطوط سے جو انہوں نے میرے باپ کو لکھے' مجھے پتہ چلا کر میری دادی نے اپنی زندگی کے آخری دو سالوں میں کیا کیا؟

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے چھوٹے چچا ابتداء ہی سے دادی جان کے رویہ سے مایوس اور ناراض تھے' کیونکہ انہوں نے اسے اپنے بڑے اور خالی مکان میں رہنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ اپنے چار بچوں کے ساتھ تین کمرے والے مکان میں رہتے تھے۔ دادی نے ان سے تعلقات بھی بہت کم رکھے' وہ صرف اتوار کے دن دوپہر کے وقت بچوں کو کافی پر بلا لیتی تھیں' اس سے زیادہ نہیں۔

تین یا چار مہینے میں ایک بار وہ اپنے لڑکے کے گھر چلی جاتی تھیں' اور اپنی بہو کو کھانا پکانے میں مدد دیتی تھیں۔ اگرچہ ایسے موقعوں پر ان کی بہو اس کا اظہار کرتی کہ اس چھوٹے سے مکان میں ان کا مشکل سے گزارہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کا دادی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ باتیں لکھتے ہوئے میرے چھوٹے چچا کے خطوں میں ناراضگی پائی جاتی تھی۔

ایک مرتبہ میرے والد نے جب یہ معلوم کرایا کہ ان کی والدہ کیا کرتی ہیں؟ تو جواب میں چچا نے مختصراً" یہ لکھا کہ وہ "سینما جاتی ہیں"۔

اس زمانہ میں یہ کوئی اچھی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے ان کے بچوں کے لئے یہ خبر حیرت کا باعث ہوئی۔ کیونکہ سینما آج سے بیس سال پہلے وہ نہیں تھا جو اب ہے۔ اس وقت اس کا ماحول گندا اور غلیظ ہوا کرتا تھا۔ اس میں دکھائی جانے الی فلمیں قتل مار دھاڑ اور سستی قسم کے المیہ کے موضوعات پر ہوتی تھیں۔ اس لئے سینما جانے والے یا تو نابالغ لڑکے ہوتے تھے' یا اندھیرے میں محبت کرنے والے جوڑے۔ اس لئے ایک بوڑھی عورت کا اکیلا وہاں جانا تعجب کی بات تھی۔ اگرچہ سینما کے ٹکٹ کی قیمت کم ہوا کرتی تھی' مگر اس وقت اس تفریح کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ اس میں بلاوجہ پیسہ برباد کرنا ہے۔

اس لئے ایسے مشغلہ میں پیسہ ضائع کرنا کوئی قابل فخر بات نہیں تھی۔

میری دادی نے کبھی اپنے لڑکوں کو گھر پر نہیں بلایا' اور نہ ہی کسی جاننے والے اور واقف کار کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور نہ ہی خود شہر کے معززین کی محفلوں میں جاتی تھیں۔ اس کے بجائے وہ اکثر ایک موچی کی دکان پر جاتی تھیں جو غریبوں کے ایک محلہ میں بدنام گلی میں واقع تھی۔ یہاں دوپہر کے بعد ہوٹلوں میں کام کرنے والی خادمائیں' مستریوں کی دکانوں پر کام کرنے والے لڑکے اور بے کار لوگوں کا مجمع ہو جاتا تھا۔

موچی ایک ادھیڑ عمر کا شخص تھا' جو اگرچہ شہر شہر گھوما ہوا تھا مگر اس کے پاس تھا کچھ بھی نہیں۔ وہ شراب کا بھی بڑا رسیا تھا۔ دیکھا جائے تو اس کا اور میری دادی کا آپس میں کوئی تعلق بنتا نظر نہیں آتا تھا۔

میرے چھوٹے چچا نے ایک خط میں لکھا کہ جب اس نے اپنی ماں کی توجہ ان باتوں کی طرف دلائی تو انہوں نے سرد مہری سے جواب دیا کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے اور "کیا اس نے کچھ دیکھا ہے؟" جو اسے وہاں جانے سے منع کیا جا رہا ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے گفتگو ختم کر دی۔ میری دادی کی عادت تھی کہ وہ جن موضوعات پر بولنا پسند نہیں کرتی تھیں' ان پر وہ قطعی بحث نہیں کرتی تھیں۔

میرے دادا کے مرنے کے کوئی چھ مہینے بعد' میرے چچا نے والد کو لکھا کہ دادی اب ہر دوسرے دن ہوٹل میں کھانا کھاتی ہیں۔

اور یہ بڑے تعجب کی خبر تھی!

دادی جان جنہوں نے زندگی بھر ایک درجن کے قریب آدمیوں کا کھانا پکایا ہو اور خود ہمیشہ بچا کھچا کھایا ہو' وہ اب ہوٹل میں کھانا کھانے لگیں۔ آخر یہ سب کیوں کر اور کیسے ہوا؟

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد میرے والد کو کاروبار کے سلسلہ میں سفر کرنا پڑا' اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اپنی ماں سے بھی ملنے چلے گئے۔ جب وہ گھر پہنچے تو اس وقت وہ کہیں باہر جانے والی تھیں۔ والد کو دیکھ کر انہوں نے اپنا ہیٹ اتار کر رکھ دیا اور ان کی تواضع سرخ شراب اور بسکٹوں سے کی۔ وہ بہت پرسکون نظر آتی تھیں' نہ تو بہت ہی جذباتی تھیں اور نہ بہت خاموش۔ انہوں نے والد سے ہمارے بارے میں پوچھا' اگرچہ ان

کے لہجے میں کوئی زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ ان کا کمرہ بہت صاف ستھرا تھا اور وہ خود بھی صحت مند نظر آرہی تھیں۔ ایک تبدیلی جو ان کی زندگی میں آئی وہ یہ تھی کہ انہوں نے والد کے ساتھ چرچ جانے سے انکار کر دیا اور نہ ہی وہ اپنے شوہر کی قبر پر جانے کے لئے تیار ہوئیں۔

"تم اکیلے جا سکتے ہو"۔ انہوں نے میرے والد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا بائیں جانب گیارہویں قطار میں تیسری قبر ہے۔ مجھے ذرا کہیں اور جانا ہے۔

بعد میں میرے چھوٹے چچا نے بتایا کہ وہ موچی کی دکان پر جا رہی ہوں گی۔ اس نے میری دادا کو برا بھلا بھی کہا کہ وہ تنگ و تاریک گھر میں رہ رہا ہے۔ پانچ گھنٹہ کا کام جو اسے ملتا ہے اس سے آمدنی بھی بہت کم ہوتی ہے' اس پر دمہ کا مرض علیحدہ ہے اور ان کا آبائی مکان جو اتنا بڑا ہے وہ بالکل خالی پڑا ہوا ہے۔

میرے والد نے ہوٹل میں کمرہ کرایہ پر لیا تھا' اور انہیں امید تھی کہ ان کی ماں انہیں ضرور گھر پر رہنے کے لئے کہیں گی' اگر دل سے نہیں تو ازراہ تکلیف ہی سہی۔ لیکن انہوں نے اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں کی۔ والد کو یاد تھا کہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ اصرار کرتی تھیں کہ وہ ان کے ساتھ گھر پر رہیں' اور ہوٹل میں اپنا پیسہ ضائع نہ کریں۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنے خاندان سے تمام تعلقات ختم کر لئے تھے اور اپنی دنیا علیحدہ سے بسالی تھی' اور وہ اسی میں رہنا پسند کرتی تھیں۔ میرے والد جن میں مزاح کا اچھا ذوق تھا' جب انہوں نے اپنی ماں کو اس میں خوش پایا تو انہوں نے خاص طور سے چھوٹے چچا سے کہا کہ وہ جو کچھ کرنا چاہتی ہیں' کرنے دو اور ان کی زندگی میں کوئی دخل نہ دو۔

لیکن سوال یہ تھا کہ آخر وہ کیا کرنا چاہتی تھیں!

ان کے بارے میں جو دوسری خبر آئی وہ یہ تھی کہ وہ جمعرات کے دن کرایہ کی بگھی میں سیر کو جاتی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک آدھ مرتبہ جب ہم دادا و دادی سے ملنے گئے تھے تو اکثر دادا کرایہ کی بگھی منگوا کر ہمیں گھمانے لے جاتے تھے' لیکن ایسے موقعوں پر دادی جان ہمیشہ گھر پر ہی رہتیں اور ہاتھ ہلا کر ساتھ آنے سے انکار کر دیتیں۔

بگھی کی سیر کے بعد دوسری خبر آئی کہ انہوں نے قریب کے ایک بڑے شہر کا سفر کیا جو وہاں سے ٹرین کے ذریعہ دو گھنٹہ کا تھا۔ وہاں گھوڑوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی اور دادی جان

اس میں شرکت کرنے کے لئے گئیں تھیں۔

ان کی ان حرکتوں پر میرے چھوٹے چچا بالکل پریشان ہو گئے یہاں تک کہ وہ اس سلسلہ میں کسی ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہتے تھے، مگر میرے والد نے انہیں اس سے منع کیا۔

پڑوس کے شہر میری دادی اکیلی نہیں گئی تھیں بلکہ ان کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی بھی تھی اور جیسا کہ میرے چھوٹے چچا نے لکھا وہ نیم پاگل اور معذور تھی۔ وہ اس ہوٹل کی خادمہ تھی جہاں میری دادی ہر دوسرے دن کھانا کھانے جاتی تھیں بعد میں اس معذور دوشیزہ نے ان کے زندگی میں اہم کردار ادا کیا۔

ایسا نظر آتا ہے کہ میری دادی اس کی دلدادہ ہو گئی تھیں۔ وہ اس کو اپنے ہمراہ سینما لے جاتیں، اور موچی کی دکان پر بھی وہ ان کے ساتھ جاتی تھی۔ اکثر وہ دونوں باورچی خانہ میں بیٹھی سرخ شراب پیتیں اور تاش کھیلتیں۔

میرے چچا نے مایوسی اور افسردگی کے ساتھ لکھا کہ "ماں نے اس معذور کے لئے ایک ہیٹ خریدا جس پر سرخ گلاب بنا ہوا تھا، جب کہ میری بچی کے لے چرچ جانے کے کپڑے تک نہیں"۔

اس کے بعد سے میرے چھوٹے چچا کے خطوط بڑے جذباتی ہو گئے اور ان میں اپنی ماں کی بے شرمی کے قصوں کے علاوہ اور کچھ ہوتا ہی نہیں تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ باتیں میں نے اپنے والد سے سنیں۔

میرے والد جس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اس کی مالکہ نے دادی کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ "وہ اب زندگی سے پورا پورا لطف اٹھا رہی ہیں"۔

حقیقت میں میری دادی اپنی زندگی کے آخر سال میں بڑے عیش سے رہیں۔ جب وہ ہوٹل میں کھانا نہیں کھاتی تھیں تو گھر پر تلے انڈے، کافی اور اپنے پسندیدہ بسکٹ شوق سے کھاتی تھیں۔ وہ سستی سرخ شراب ضرور خریدا کرتی تھیں، اور کھانے پر اس کا ایک چھوٹا گلاس پیا کرتی تھیں۔ گھر کو بڑا صاف ستھرا رکھتیں۔ بیٹے لڑکوں کو بتائے بغیر انہوں نے [illegible] رکھ دیا تھا اور یہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے اس پیسہ کا کیا کیا؟ خیال ہے کہ شاید یہ پیسہ انہوں نے اپنے موچی دوست کو دیدیا ہو۔ کیونکہ ان کی وفات کے بعد وہ ایک بڑے شہر میں چلا گیا جہاں اس نے جوتوں کی ایک بڑی دکان کھول لی۔

دیکھا جائے تو میری دادی نے دو زندگیاں گزاریں' پہلی ایک بیٹی بیوی اور ماں کی حیثیت سے اور دوسری ایک عورت کی حیثیت سے۔ ان کی پہلی زندگی 72 سال تک کی جب کہ دوسری زندگی صرف 2 سال کی تھی۔

میرے والد بتایا کرتے تھے کہ زندگی کے آخری سال میں انہوں نے اپنا وقت بڑی آزادی سے گزارا گرمیوں میں وہ صبح تین بجے بیدار ہو جاتیں اور شہر کی خالی گلیوں میں تنہا چہل قدمی کرتیں' محلہ کا پادری اکثر ان کے پاس آجاتا تھا اور ان کی تنہائی کا ساتھی ہوتا تھا۔ کبھی کبھی وہ ان کے ساتھ سینما بھی چلا جاتا تھا۔

لیکن درحقیقت وہ تنہا نہیں تھیں۔ موچی کی دکان ان کی تفریح کی جگہ تھی۔ جہاں شہر کے خوش مذاق اور بے فکرے جمع ہو جاتے اور ہنسی مذاق میں وقت گزارتے تھے۔ وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر سرخ شراب کی بوتل ساتھ میں رکھتی تھیں' جب دوسرے لوگ قصے و کہانیاں سنا رہے ہوتے تو وہ شراب کی چسکیاں لیتی رہتیں۔ سرخ شراب ان کی پسندیدہ شراب تھی' جب کہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے لئے وہ ذرا تیز شراب لایا کرتی تھیں۔

خزاں کی ایک دوپہر کو انہوں نے اپنے سونے کے کمرے میں بڑی خاموشی سے وفات پائی۔ اس وقت وہ کھڑکی کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھی تھیں۔ اس رات کو انہوں نے اس معذور دوشیزہ کو سینما کی دعوت دی تھی' اس لئے ان کے آخری لمحوں میں وہ ان کے قریب تھی۔

جب ان کی وفات ہوئی ہے تو وہ 74 سال کی تھیں۔

میں نے ان کا وہ فوٹو دیکھا ہے جو ان کے مرنے کے بعد ان کے بچوں کے لئے لیا گیا تھا۔ اس میں ان کی جھری بھرے چہرے کو بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کا دہانہ چوڑا اور ہونٹ پتلے تھے اور چہرہ سکڑ کر چھوٹا ہو گیا تھا۔ دادی نے زندگی کا بڑا حصہ خدمت گزاری میں اور بہت تھوڑا آزادی کے ساتھ گزارا۔ اسی لئے انہوں نے زندگی کے آخری دنوں میں ایک ایک لمحہ سے پورا پورا لطف اٹھایا۔

---○---

ملحد کا اورکوٹ

یہ 1600ء کی بات ہے کہ چرچ کا محکمہ انکوئیزیشن (INQUISITION) گیارڈنوبرونو کو' اس کے ملحدانہ خیالات کی وجہ سے زندہ آگ میں جلانا چاہتا تھا۔ برونو محض اس لئے ہی عظیم انسان نہیں تھا کہ اس نے ستاروں کی گردش کو حقیقت ثابت کیا تھا۔ بلکہ اس لئے بھی کہ اس نے بڑی جرات و بہادری کے ساتھ انکوئیزیشن کی عدالت میں اپنا مقدمہ لڑا تھا اور ان سے مخاطب ہو کر یہ تاریخی الفاظ کہے تھے۔

"تم میرے خلاف یہ فیصلہ ڈر اور خوف کے ساتھ دے رہے ہو"۔

جب بھی کوئی اس کی تحریروں کو پڑھتا ہے' اور ان رپورٹوں پر نظر ڈالتا ہے جو اس کے خلاف مقدمہ کے دوران لکھی گئیں' تو اسے ایک بڑا آدمی تسلیم کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے متعلق ایک اور واقعہ بھی ہے جس کی وجہ سے ہماری نظروں میں اس کی عزت اور بڑھ جاتی ہے۔ یہ واقعہ اس کے اورکوٹ کا ہے۔

لیکن پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ آخر وہ انکوئیزیشن کے ہاتھوں گرفتار کیسے ہوا؟

وینس کے ایک امیر جس کا نام موچے نیگو تھا' اسے ایک مرتبہ اپنے گھر پر بلایا تاکہ وہ اس سے طبیعات اور دوسرے علوم پر اسباق لے سکے۔ لیکن ایک ماہ کے عرصہ میں اس نے جو کچھ اسے پڑھایا' موچے نیگو اس سے غیر مطمئن رہا۔ کیونکہ اسے امید تھی کہ برونو اسے علم طبیعات کے بجائے کالے جادو کی تعلیم دے گا۔ اس لئے اس نے کئی بار اسے بڑے خلوص سے تنبیہ بھی کی کہ وہ اسے پراسرار اور فائدہ مند علم سکھائے' کیونکہ اسے یقین تھا کہ برونو جیسا مشہور عالم اس علم سے ضرور واقف ہو گا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ برونو اس معاملہ میں اس کے لئے زیادہ فائدہ مند نہیں' تو اس نے سوچا کہ کسی طرح اس معاوضہ ہی کو بچایا جائے جو پڑھائی کے عوض طے ہوا تھا' یہ ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے اسے

انکویزیشن کے سامنے ملزم ٹھہرایا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ اس خراب اور ناشکرے
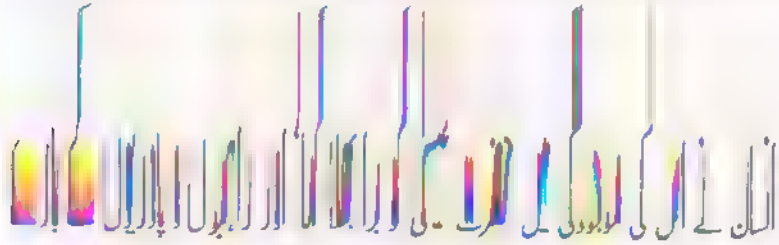
میں کہا کہ وہ گدھے ہیں' اور عوام میں سب سے زیادہ احمق ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے بائبل کی تعلیمات کے خلاف پڑھایا وغیرہ وغیرہ' اس کے ساتھ ہی موچے نیگو نے اسے ایک کمرے میں بند کر دیا' اور انکویزیشن کے افسروں سے درخواست کی کہ وہ اسے آکر لے جائیں۔

اس کی رپورٹ پر انکویزیشن کے افسر رات کو آئے اور اسے اپنے ساتھ جیل لے گئے۔ یہ واقعہ بروز پیر' صبح تین بجے' 25 مئی 1592ء کو ہوا۔ اس دن سے جب کہ اسے 17 فروری 1600ء کو ایندھن کے ڈھیر پر زندہ جلانے کے لئے لایا گیا' وہ جیل سے باہر نہیں نکلا' ان 8 سالوں میں جب کہ وہ مقدمہ کی اذیتوں سے گزرا وہ بغیر کسی کمزوری کے اپنی زندگی کے لئے لڑتا رہا۔ لیکن ایک مہینہ جو اس نے وینس میں اپنے دفاع میں گزارا' صرف اس وقت وہ اپنا دفاع تندہی سے نہیں کر سکا' کیونکہ اسی دوران اوورکوٹ کا واقعہ پیش آیا۔

1592ء کی سردیوں میں جب کہ وہ کرایہ کے ایک کمرے میں رہتا تھا' اس نے شہر کے ایک درزی جس کا نام جبرئیل سنتو تھا' اپنے لئے ایک موٹے اوورکوٹ کا ناپ دیا تھا' کوٹ ملنے کے بعد ہی اسے گرفتار کر لیا گیا' یہ وقت تھا کہ وہ اس کی قیمت ادا نہیں کر سکا تھا۔

درزی نے جیسے ہی اس کی گرفتاری کی خبر سنی تو وہ بھاگا ہوا موچے نیگو کے مکان پر پہنچا تاکہ اپنی رقم وصول کر سکے۔ لیکن وقت گزر چکا تھا' موچے نیگو کے گھر کے ایک غلام نے اسے دروازے پر ہی روک دیا اور کہا کہ "اس دھوکہ باز کو ہم پہلے ہی بہت دے چکے ہیں" اس نے یہ الفاظ دروازے پر کھڑے کھڑے اتنے زور سے کہے کہ راستہ چلتے چند لوگ بھی رک گئے "بہتر یہ ہے کہ اس ملحد کے خلاف جو کچھ کہنا ہے وہ مقدس عدالت کے سامنے جا کر کہو"۔

درزی ان الفاظ کو سن کر سکتہ میں آگیا' اور اسی حالت میں تھوڑی دیر تک وہ گلی میں کھڑا رہا۔ گلی کے چند لڑکوں نے جنہوں نے اس گفتگو کو سنا تھا' ان میں سے ایک نے اسے نشانہ بنا کر پتھر پھینکا' اگرچہ اس پر ایک پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک عورت نے اس لڑکے کے کان کھینچے' مگر اس سے سنتو کو فوراً" اس بات کا احساس ہو گیا کہ شاید لوگوں کا

یہ خیال ہو گا کہ اس کا بھی اس ملحد سے ضرور کوئی تعلق ہے۔ اس لئے وہ خاموشی سے تیز تیز چلتا ہوا اپنے گھر واپس ہوا۔ اس نے اپنی بیوی کو اس حادثہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اگرچہ اسے اپنے شوہر کی ہفتہ بھر کی خاموشی اور اداسی پر تعجب ضرور ہوا۔

پہلی جون کو حساب لکھتے ہوئے اسے پتہ چلا کہ ایک اورکوٹ کی قیمت ادا نہیں کی گئی ہے اور یہ اورکوٹ اس آدمی کے نام پر تھا جس کا نام اس وقت شہر کے بچہ بچہ کی زبان پر تھا اور اس کے بارے میں بری بری قسم کی افواہیں گردش کر رہی تھیں۔ اس نے نہ صرف یہ کہ کتابیں لکھ کر اپنی عزت و آبرو مٹی میں ملائی۔ بلکہ اپنی گفتگو میں مذہب کے خلاف بھی باتیں کہیں۔ مثلاً" حضرت عیسیٰ کو جادوگر کہا' اور احمقانہ قسم کی باتیں سورج کے بارے میں کہیں۔ اس لئے ایسے شخص سے یہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے اورکوٹ کی قیمت ادا نہ کرے گا۔ اس نیک عورت کی بالکل بھی یہ خواہش نہیں تھی کہ وہ اس بڑے نقصان کو برداشت کرے۔ اس لئے اپنے شوہر سے لڑ جھگڑ کر یہ 70 سالہ عورت اپنے اتوار کے کپڑوں میں مقدس عدالت کی عمارت جا پہنچی اور وہاں اس نے بڑی ناراضگی سے اپنے 32 اسکوڈی (ایک قسم کا سکہ) کے لئے مطالبہ کیا جو اس ملحد قیدی کے ذمہ تھے۔ ایک عہدہ دار نے اس کے مطالبہ کو لکھا اور وعدہ کیا کہ وہ اس معاملہ کی چھان بین کرے گا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد سنتو کا مقدس عدالت سے بلاوا آگیا' اس پر وہ غریب ڈر اور خوف سے کانپتا ہوا' اس ہیبت ناک عمارت میں جا پہنچا اور اپنی آمد کی اطلاع دی۔ اسے تعجب ہوا کہ اس سے کوئی سوالات نہیں پوچھے گئے اور صرف یہ کہا گیا کہ قاعدے و قوانین کی رو سے' اس کے قرضہ کے بارے میں' قیدی کی مالی حالت دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا' ساتھ ہی میں عہدے دار نے اس سے یہ بھی کہا کہ اسے کسی خاص کامیابی کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔

بوڑھا آدمی اس طرح سے سستے چھوٹ جانے پر بڑا خوش ہوا' بلکہ اس نے عہدے دار کا خوشامدانہ انداز میں شکریہ بھی ادا کیا۔ لیکن اس کی بیوی پر اس پر بالکل بھی خوش نہیں ہوئی اگرچہ اس نقصان کو پورا تو کیا جا سکتا تھا' مگر وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا شوہر شام کا آرام ختم کر کے رات گئے تک سلائی میں مصروف رہے۔ اس کے علاوہ وہ کپڑے والے کے بھی مقروض تھے' اور اس کا قرضہ دینا بھی ضروری تھا' اس لئے وہ گھر میں اور گھر سے

ماہر کہتی پھرتی تھی کہ یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ ایک دھوکہ باز کو اس سے پہلے کہ وہ اپنا

قرضہ ادا کرے' گرفتار کر کے اسے قرض خواہوں سے پناہ دے دی گئی۔ اس نے یہاں تک کہا کہ وہ اپنے 22 اسکوڈی کی خاطر روم میں مقدس باپ کے پاس تک جانے سے گریز نہیں کرے گی' اور پھر وہ آخر میں یہ بھی کہتی تھی کہ۔

"اور اسے آگ کے ایندھن پر اورکوٹ کی ضرورت بھی نہیں ہو گی"۔

اس سلسلہ میں وہ اپنے محلّہ کے پادری کے پاس بھی گئی اور جو کچھ اس کے ساتھ پیش آیا تھا وہ بیان کیا' اس پر پادری نے اسے مشورہ دیا کہ وہ مقدس عدالت سے یہ مطالبہ کرے کہ اگر اسے پیسے نہیں دئے جا سکتے تو کم از کم اورکوٹ ہی دیدیا جائے۔ لیکن بوڑھی عورت کا کہنا تھا کہ اورکوٹ برونو کے ناپ کے مطابق تیار ہوا ہے' اور وہ کوٹ یقیناً" اس نے پہنا بھی ہو گا' اس لئے وہ کوٹ واپس لے کر اس کا کیا کرے گی۔ اسے تو اس کی قیمت چاہئے۔ جب اس نے زیادہ شور و غوغا کیا تو پادری نے اسے کمرے سے نکال دیا۔ اس پر وہ تھوڑا سا ڈری اور کچھ ہفتے خاموش رہی' اور گرفتار ملحد کے خلاف اس نے زیادہ باتیں نہیں کیں۔

شہر میں ہر کوئی یہی کہتا تھا کہ مقدمہ میں عدالت نے بہت ہی ظالمانہ اور غیر ہمدردانہ رویہ اختیار کیا ہے' بوڑھی عورت ادھر ادھر سے یہ سب باتیں غور سے سنتی رہتی' اس کے لئے یہ بات اذیت کا باعث تھی کہ ملحد کے خلاف سنگین الزامات لگائے گئے ہیں' اس لئے اس کے آزاد ہونے کے کوئی امکانات نہیں' اور جب وہ آزاد نہیں ہو گا تو اپنا قرضہ بھی ادا نہیں کر سکے گا۔ اس خیال سے اس کی راتوں کی نیند اڑ گئی۔

اگست کے مہینہ میں جب کہ گرمی نے سب کے ہوش اڑا رکھے تھے' تو اس نے اپنے گاہکوں کے سامنے شکایتوں کی بھرمار شروع کر دی' اور یہاں تک کہا کہ پادریوں کو سخت گناہ ہو گا' اگر انہوں نے ایک غریب دستکار کے جائز مطالبہ کو پورا نہیں کیا اور اسے ایسے ہی رہنے دیا' کیونکہ ایک تو ٹیکسوں کی بھرمار ہے' اور پھر مہنگائی' اور اس صورت حال میں مالی نقصان۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن صبح کے وقت ایک عہدے دار اسے مقدس دفتر لے گیا اور وہاں اسے تنبیہ کی گئی کہ وہ آئندہ کے لئے اپنی زبان پر قابو رکھے۔ اس سے کہا گیا

کہ کیا اسے شرم نہیں آتی کہ وہ چند سکوں کی خاطر ایک انتہائی مقدس اور اہم مقدمہ میں رکاوٹ ڈال رہی ہے؟ اس سے کہا گیا کہ وہ خود سمجھ جائے' ورنہ اسے خاموش کرنے کے لئے دوسرے طریقہ اختیار کئے جائیں گے۔

کچھ عرصہ کے لئے تو اس تنبیہہ نے اثر کیا' لیکن جب اسے مقدس عہدے دار کے یہ الفاظ یاد آتے کہ "چند سکوں کی خاطر" تو اسے غصہ آتا' مگر صبر کر کے خاموش ہو جاتی۔ لیکن ستمبر کے مہینہ میں جب یہ خبر پھیلی کہ انکوئیزیشن کے بڑے آفس نے قیدی کو روم بلایا ہے' تو ایک بار پھر عورت کو اپنے پیسوں کی فکر پڑ گئی۔

کچھ عرصہ کے لئے شہر کے لوگوں میں یہ بات موضوع بحث بن گئی کہ اسے روم کے حوالہ کیا جائے یا نہیں؟ شہر کی انتظامیہ روم کی عدالت کی برتری ماننے پر تیار نہیں تھی۔ ادھر بوڑھی عورت کو فکر تھی کہ کیا واقعی اس ملحد کو قرضہ چکائے بغیر روم جانے دیا جائے گا؟ ابھی اس نے اس خبر کی تصدیق بھی پوری طرح نہ کی تھی' کہ اس سے ضبط نہیں ہوا' اور وہ بھاگی ہوئی مقدس عدالت کی عمارت جا پہنچی۔

اس مرتبہ ایک بڑے عہدے دار نے اس سے ملاقات کی' اور تعجب کی بات یہ تھی کہ پچھلے عہدے داروں کے مقابلہ میں اس نے' اس کی بات زیادہ غور سے سنی' جب وہ اپنی شکایت کر چکی تو بوڑھے عہدے دار نے معمولی وقفہ کے بعد سوال کیا کہ کیا وہ برونو سے ملنا پسند کرے گی؟۔

اس نے فوراً" ہی ہاں بھری' اور ملاقات کے لئے دوسرا دن مقرر ہوا۔

دوسرے دن صبح کے وقت' ایک چھوٹے سے کمرے میں جن کی کھڑکیوں میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں' اس کی ملاقات ایک دبلے پتلے چھوٹے سے آدمی سے ہوئی جس کی کالی داڑھی تھی۔ اس نے بڑے مہذب انداز میں اس سے پوچھا کہ اس کا کیا مطالبہ ہے!

اس نے قیدی کو اس وقت دیکھا تھا جب وہ ناپ دینے آیا تھا' اسی لئے اس کے ذہن میں اس کی شکل محفوظ تھی' لیکن اب وہ اسے فوراً" ہی نہیں پہچان سکی مقدمہ کے دوران اس میں کافی تبدیلی آگئی تھی۔

بوڑھی عورت نے جلدی جلدی سے کہا "وہ اوورکوٹ' جس کی قیمت آپ نے ادا نہیں کی"۔

برونو نے چند لمحہ اسے تعجب سے دیکھا' اور تھوڑی دیر بعد' جب اسے کچھ یاد آیا تو
اس نے آہستگی سے پوچھا" میں آپ کا کتنے کا قرض دار ہوں؟"

"32 اسکوڈی کے" اس نے کہا "اس کا بل آپ کو دیدیا جائے گا"۔

اس پر برونو نے اس موٹے عہدے دار کی طرف دیکھا' جو اس گفتگو کے دوران اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھا' اور اس سے پوچھا کہ کیا اسے معلوم ہے کہ اس کی کتنی رقم مقدس آفس میں جمع کی گئی ہے! موٹے عہدے دار کو اس کا علم نہ تھا' مگر اس نے وعدہ کیا کہ وہ اسے معلوم کر کے بتائے گا۔

قیدی دوبارہ اس بوڑھی عورت کی طرف متوجہ ہوا' اور یہ سوچتے ہوئے کہ اس کا اصل مسئلہ تو ختم ہوا' اس سے پوچھا کہ "آپ کے شوہر کے مزاج کیسے ہیں؟"۔

بوڑھی عورت جو قیدی کے اخلاق سے پریشان ہو چکی تھی' بڑبڑائی کہ اس کا شوہر ٹھیک ہے' صرف یہ کہ تھوڑا بہت اس کے جوڑوں میں درد رہتا ہے۔

دو دن بعد وہ پھر مقدس عدالت کے آفس گئی' اور برونو سے ملنے کی خواہش کی۔

اس کو ایک بار پھر ملنے اور بات کرنے کی اجازت مل گئی' لیکن اس بار اسے چھوٹے سلاخوں لگی کھڑکیوں والے کمرے میں قیدی کا کوئی ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا' کیونکہ وہ عدالت میں تھا' جب وہ واپس کمرے میں آیا ہے تو چہرہ سے بڑا تھکا ہوا لگ رہا تھا' کمرے میں چونکہ کوئی کرسی نہیں تھی اس لئے وہ دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا لیکن اس نے فوراً" ہی بوڑھی عورت سے مخاطب ہو کر بہت ہی کمزور آواز میں اسے بتایا کہ' اس کے حالات ایسے نہیں ہیں کہ وہ اوورکوٹ کی قیمت ادا کر سکے' کیونکہ اس کا سامان جو مقدس عدالت میں جمع ہے اس میں نقد رقم کچھ نہیں۔ لیکن اسے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں' کیونکہ فرینکفرٹ میں ایک پبلشر نے اس کی کتابیں چھاپی ہیں' جس کے پیسے اس نے اسے نہیں دئے ہیں' کل صبح وہ مقدس عدالت سے درخواست کرے گا کہ اسے پبلشر کو خط لکھنے کی اجازت دے۔ آج اسے دوبارہ مقدمہ میں پیش ہونا ہے۔ اگرچہ وہ تھک چکا ہے اور اس کی طاقت جواب دے چکی ہے۔ مگر اسے اپنا دفاع کرنا ہے' اسے ڈر ہے کہ وہ سوالوں کا جواب شاید ٹھیک سے نہیں دے سکے۔

جب وہ بول رہا تھا تو بوڑھی عورت جھجھکتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی وہ ایسے

قرض داروں کو خوب جانتی تھی جو پیسے دینے میں لیت و لعل کرتے تھے اور طرح طرح کے بہانے بنایا کرتے تھے۔

"جب تمہارے پاس اورکوٹ کے پیسے دینے کو نہیں تھے' تو تم نے اورکوٹ کس لئے سلوایا تھا" اس نے پوچھا۔

قیدی نے اس کی بات سن کر گردن ہلائی' اور یہ ظاہر کیا کہ وہ اس کی بات سمجھ گیا ہے۔

"اس نے جواب میں کہا" میں نے ہمیشہ کتابیں لکھ کر اور لیکچر دے کر پیسے کمائے ہیں اس لئے میرا خیال تھا کہ میں جلد ہی کچھ پیسے کمالوں گا' اور کوٹ مجھے اس لئے چاہئے تھا کہ میرا ارادہ چھٹیوں میں باہر جانے کا تھا"۔ یہ اس نے بغیر کسی تلخی کے ساتھ کہا۔ بوڑھی عورت کو تو اس جواب سے آگ لگ گئی' اور وہ غصہ سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے پیسے تو اب ڈوب گئے۔

اسی رات کو سوتے وقت اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ "وہ کون بے وقوف ہو گا جو ایسے شخص کو پیسے بھیجے گا' جس پر انکوئیزیشن میں مقدمہ چل رہا ہو"۔

اس کا شوہر تو اس بات پر ہی خوش تھا کہ اسے روحانی عہدے داروں نے ستانا چھوڑ دیا' اور وہ اس پر پریشان تھا کہ اس کی بیوی پیسوں کی وصول یابی کے لئے ناحق کوشش کر رہی ہے۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا کہ "اب اسے دوسری باتوں کے متعلق سوچنا چاہئے"۔

دوسرا مہینہ بھی ان کے ناخوش گوار مسائل میں کوئی تبدیلی لائے بغیر گزر گیا۔ جب جنوری کا مہینہ شروع ہوا تو پوپ نے جمہوریہ پر دباؤ ڈالا کہ ملحد کو مقدمہ کی کاروائی کے لئے روم بھیجا جائے۔ اسی موقعہ پر اس بوڑھی عورت کو بھی مقدس آفس میں آنے کا دعوت نامہ ملا' چونکہ دعوت نامہ میں کسی خاص وقت کی پابندی کا ذکر نہیں تھا' اس لئے وہ ایک دوپہر وہاں چلی گئی۔ اس وقت قیدی جمہوریہ کے سرکاری وکیل کا انتظار کر رہا تھا' جو کہ شہری کونسل کی جانب سے اس کے روم جانے کے خلاف اپیل کرنا چاہتا تھا۔

بوڑھی عورت کا استقبال اسی عہدے دار نے کیا کہ جس نے پہلی بار اس کی ملاقات کا برونو سے انتظام کرایا تھا۔ عہدے دار نے اسے بتایا کہ قیدی کی اس سے ملنے کی خواہش

ہے لیکن اس وقت وہ اپنے مقدمہ کے سلسلہ میں ایک اہم گفتگو میں مصروف ہے' لہٰذا پہلے
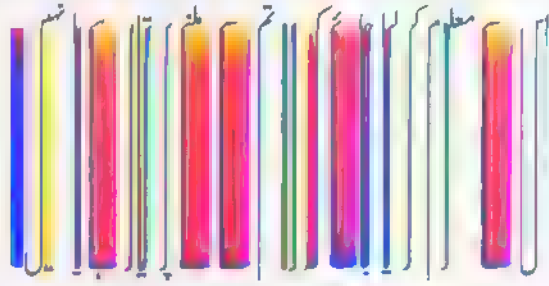
عورت نے بھی مختصراً" جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہاں ہاں ضرور معلوم کر لیا جائے۔

اس پر ایک آدمی فوراً" باہر گیا' اور جب وہ واپس آیا تو قیدی اس کے ہمراہ تھا دونوں کی گفتگو اس اعلیٰ عہدے دار کے درمیان ہوئی۔

اس سے پہلے کہ برونو' جو دروازے سے مسکراتا ہوا آیا تھا' کچھ کہتا' بوڑھی عورت فوراً" بولی اگر آپ کا ارادہ چھٹیوں میں کہیں جانے کا تھا' تو پھر آپ نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ چھوٹا آدمی تھوڑی دیر کے لئے پریشان ہو گیا' اس نے ان تین مہینوں میں اتنے سوالات کے جواب دیئے تھے کہ وہ فوراً" کچھ نہ کہہ سکا' اور اسے عورت کے ساتھ آخری ملاقات بھی زیادہ یاد نہ رہی تھی' اس نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مجھے کوئی رقم نہیں مل سکی۔ میں نے اس سلسلہ میں دوبار لکھا' مگر کوئی جواب نہیں آیا' اس لئے میں نے سوچا ہے کہ آپ اورکوٹ واپس لے لیں"

"مجھے معلوم تھا کہ یہی ہونے والا ہے"۔ بوڑھی عورت نے حقارت سے کہا۔ "اسے ہم نے آپ کے باپ کا بنایا تھا' اور وہ دوسروں کے کس کام آئے گا"۔

برونو نے اندرونی اذیت محسوس کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا" میں نے یہ سوچا تک نہیں تھا"۔ وہ مقدس عہدے دار کی جانب مڑا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"کیا میں اپنی تمام چیزیں فروخت کر کے اس کی رقم انہیں دے سکتا ہوں"۔

"یہ ممکن نہیں" اس عہدے دار نے کہا جو اسے بلا کر لایا تھا۔ "اس پر تو جناب موسے نیگو کا دعویٰ ہے' کیونکہ آپ ایک عرصہ تک ان کے خرچہ پر ان کے ہاں رہے تھے"۔

"اس نے مجھے دعوت دے کر بلایا تھا" برونو نے تھکے ہوئے لہجہ میں کہا اس پر بوڑھے عہدے دار نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کو کہا' اور بولا"۔

"اس وقت اورکوٹ یہاں نہیں ہے' اور میرا خیال ہے کہ اب اسے یہاں لایا جائے

گا"۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب معاملہ پھر نئے سرے سے شروع ہو گا" عورت غصہ سے بولی۔

بوڑھے عہدے دار کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا' اور اس نے آہستہ آہستہ بولتے ہوئے کہا:

"محترمہ! اگر آپ میں تھوڑی سی بھی عیسائیت کی روح موجود ہو تو اس بات کو سمجھیں کہ یہ ملزم اس وقت ایک ایسے مقدمہ میں ملوث ہے کہ جس میں اس کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اس لئے آپ اس پر اصرار نہیں کر سکتیں کہ وہ صرف آپ کے اورکوٹ میں دلچسپی لے"۔

عورت نے اسے غصہ دار جھنجلاہٹ کے ساتھ دیکھا' مگر پھر فوراً" ہی اسے خیال آیا کہ وہ کس جگہ ہے' وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور جانا چاہتی تھی کہ اس وقت قیدی نے آہستگی سے کہا کہ "میرا خیال ہے کہ وہ یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتی ہے"۔

جب عورت اس کی طرف مڑی تو اس نے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ مجھے معاف کر دیں گی۔ آپ یہ مت سوچئے کہ آپ کو نقصان برداشت کرنے دوں گا۔ میں اس سلسلہ میں عوامی عدالت سے اپیل کروں گا۔

اس عرصہ میں وہ موٹا عہدے دار جو باہر چلا گیا تھا واپس آیا اور کہنے لگا۔

"اورکوٹ کسی بھی صورت میں واپس نہیں کیا جائے گا۔ جناب موچے نیگو اسے ہر حالت میں لینا چاہتے ہیں"۔

یہ سن کر برونو کو سکتہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ قطعی لہجہ میں بولا"۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں اس پر مقدمہ کروں گا"۔

بوڑھے عہدے دار نے اس پر اپنا سر ہلایا اور برونو سے مخاطب ہو کر بولا:

"آپ اپنی اس اپیل کو تیار کریں' جو آپ سرکاری وکیل سے مل کر کر رہے ہیں۔ میں آپ کو یہاں زیادہ عرصہ کے لئے روکنا نہیں چاہتا کہ آپ چند اسکوڈی کی خاطر ان جھمیلوں میں پڑیں"۔

یہ سن کر بوڑھی عورت کو سخت غصہ آ گیا' اور اس کے ضبط کا دامن چھوٹ گیا۔

"چند اسکوڈی" اس نے چیخ کر کہا" یہ ایک مہینہ کی کمائی ہے' یہ آپ کے لئے شاید

نقصان نہ ہو' اور آپ اسے برداشت کرلیں' مگر ہمارے لئے ایسا نہیں"۔

اس لمحہ ایک راہب کمرے میں آیا اور زور سے بولا۔

"سرکاری وکیل آگیا ہے"۔

موٹے عہدے دار نے برونو کو بازو سے پکڑا اور اسے باہر لے لیا' اس نے جاتے جاتے آخر وقت تک بوڑھی عورت کو دیکھا۔ اس کا دبلا پتلا چہرہ بالکل پیلا ہو گیا تھا۔

بوڑھی عورت پریشانی کے عالم میں عمارت کی پتھروالی سیڑھیوں سے اتر کر باہر آئی۔ وہ اس حد تک پریشان تھی کہ اس کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ رکھا تھا۔ کچھ دن تک وہ اپنی دکان پر بھی نہیں گئی۔ یہاں تک کہ ایک ہفتہ بعد وہ موٹا عہدے دار اوورکوٹ لے کر اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

آخری دنوں تک وہ صرف اوورکوٹ کی خاطر لڑتا رہا' دوبار اس نے عدالت سے اپیل کی۔ اس وقت بھی جب کہ اس کے مقدمہ کی کاروائی جاری تھی وہ عدالت کے اعلیٰ عہدے داروں سے مقدمہ کے بجائے اوورکوٹ کے مسئلہ پر بات کرتا رہا یہاں تک کہ آخر کار وہ کامیاب ہو گیا' اور موچے نیگو کو اوورکوٹ واپس کرنا پڑا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اس وقت اسے اس اوورکوٹ کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہو گی' کیونکہ اسی ہفتہ اسے روم لے جایا جا رہا ہے"۔

اور یہ سچ بھی تھا' کیونکہ یہ جنوری کے آخری دن تھے۔

------------○------------

انسانی مجسمہ

میں چارلس فرانشار جو کہ فوج میں ایک سپاہی تھا' ورڈون کے محاذ پر زندہ
دفن ہونے کی وجہ سے مجھ میں یہ خصوصیت پیدا ہو گئی ہے کہ میں جب
تک چاہوں غیر متحرک مجسمہ کی حیثیت سے کھڑا رہ سکتا ہوں۔ میری اس
خوبی کو بہت سے پروفیسوں نے جانچا اور پرکھا ہے' اور انہوں نے اسے
ایک ایسی بیماری قرار دیا ہے کہ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مہربانی فرما
کر خاندان کے بیروزگار باپ کے لئے کچھ عطیہ عنایت کریں۔

ہم نے اس کھڑے ہوئے آدمی کی طرف ایک سکہ پھینکا' اور افسوس سے اپنے سر کو جھٹکا
دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

تو یہاں کھڑا ہے' ہم نے سوچا' سر سے پیر تک مسلح' ہزاروں سال سے نہ ختم
ہونے والا فوجی۔ وہ فوجی کہ جس نے تاریخ کی تشکیل کی "جس نے سکندر' سیزر اور نپولین
کو اس قابل بنایا کہ وہ بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے سکیں' اور یہ کارنامے اب تک
ہمیں تاریخ کی نصابی کتابوں میں پڑھائے جاتے ہیں اور یہ وہی شخص ہے کہ جو اب اپنی
آنکھیں جھپکانے کے قابل بھی نہیں ہے۔ یہ سائرس کا تیر انداز تھا' یہ کیمبیسس کا رتھ
چلانے والا تھا' کہ جسے صحراؤں کی ریت بھی ہمیشہ کے لئے دفن نہیں کر سکی' یہ سیزر کے
دستہ کا فوجی تھا' چنگیز خاں کے گھڑ سواروں میں سے تھا' لوئی چہاردھم کے سوس حفاظتی دستہ
کا ایک فوجی تھا' نپولین کے ساتھ لڑنے والا تھا۔ اس میں یہ بڑی خوبی ہے کہ ان تمام
آزمائشوں کے باوجود کہ جو اسے تباہ کرنے کے لئے کی گئیں' اس نے اپنے اندرونی جذبات کو
ظاہر نہیں ہونے دیا' وہ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے' ایک پتھر کی مانند رہا اس وقت بھی کہ جب
اسے مرنے کے لئے بھیجا گیا۔ اگرچہ اسے ہر زمانہ کے نیزوں سے جن میں پتھر' تانبہ' اور لوہا

شامل ہیں کچھو کے دیئے گئے ارتازرکس اور جنرل لڈن ڈورف کے جنگی رتھوں کے نیچے کچلا گیا' ہنی بال کے ہاتھیوں' اور اٹیلا کے گھڑ سواروں کے نیچے دبایا گیا' اور جب توپوں کی ایجاد ہوئی تو گولوں کے ذریعے اس کے جسم کے پرخچے اڑائے گئے' منجنیق کے پتھروں اور رائفل کی گولیوں سے اسے چھلنی کیا گیا لیکن ان تمام تباہیوں کے باوجود وہ لافانی رہا اور مختلف زمانوں میں اسے بار بار لڑنے پر مجبور کیا جاتا رہا' اور وہ خود اس سے بے خبر رہا کہ اس سے کیوں اور کس لئے لڑوایا جا رہا ہے؟

یہ وہ نہیں تھا کہ جس نے مفتوحہ زمینوں پر قبضہ کیا ہو' بالکل اسی طرح سے کہ معمار گھر بناتا ہے مگر خود اس میں نہیں رہ سکتا ہے۔ اور نہ ہی حقیقت میں جس سرزمین کا اس نے دفاع کیا تھا۔ وہ اس کی تھی۔ اس کے تو وہ ہتھیار اور اسلحہ بھی اپنے نہیں تھے' جن سے وہ لڑا تھا۔

وہ موت کے لئے اس وقت بھی تیار کھڑا رہا جب کہ ہوائی جہاز بم گرا رہے تھے' اس کے قدموں کے نیچے بارود کی مائنز تھیں' وبائیں اور مسٹرڈ گیس اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی' --- اور وہ وہاں کھڑا تھا --- زندہ و ہوش و حواس کے ساتھ' تیروں اور جویلین کے نشانہ کے لئے' ٹینکوں کی گولیوں کے لئے' گیس کو نگلنے کے لئے۔ جب کہ دشمن اس کے سامنے تھا' اور جنرل اس کے پیچھے۔

وہ انجانے ہاتھ کے جنہوں نے اس کی جیکٹ تیار کی تھی۔ اس کے لئے اسلحہ اور جوتے بنائے تھے۔ اور وہ بہت سی جیبیں جو اس کی وجہ سے پیسے سے پر ہوئی تھیں اور دنیا کی ہر زبان میں کہ جس کے ذریعہ اس کو آگے بڑھنے کے لئے اکسایا گیا تھا۔ وہ کون سا خدا تھا کہ جس نے اسے اپنے سایہ عاطفت میں نہ لیا ہو۔ اور یہ وہ تھا جو اپنے جذبات کی خاموشی میں گھٹ کر رہ گیا۔

یہ کس قسم کا زندہ درگور ہونا ہے' ہم نے سوچا' کہ جس کی وجہ سے یہ ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے کہ جو ڈرانے والی' وحشت ناک اور متعدی ہے۔

ہم نے خود سے سوال کیا' کہ کیا یہ قابل علاج بھی ہے یا نہیں؟

تجربہ

فرانسس بیکن کا شاندار کیریئر اس مثل کے مصداق اچانک ختم ہو گیا کہ جس میں کہا گیا ہے کہ "جرم کے نتیجہ میں کچھ ملتا نہیں ہے" حکومت کے اعلیٰ افسر ہونے کی حیثیت سے اسے بدعنوانی کے جرم میں پایا گیا اور بطور سزا جیل میں ڈال دیا گیا۔ حکومت نے جس طرح سے اس کے مقدمہ کو پیش کیا اور اس کو سزا سنائی وہ انگلستان کی تاریخ کے تاریک اور شرمناک واقعات سے ہے۔ لیکن اس کے بعد اس کی دنیا میں جو شہرت ہوئی وہ بحیثیت انسان دوست، اور فلسفی کے ہوئی۔

جب اسے جیل سے چھوڑا گیا' اور واپس اپنی جاگیر پر جانے کی اجازت ملی تو وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس کا جسم ان کوششوں کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا جو اس نے دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچانے کے لئے کیں تھیں اور دوسرے لوگوں کی ان تکلیفوں کی وجہ سے جو انہوں نے اسے تباہ کرنے کے لئے کیں تھیں لیکن جیسے ہی وہ واپس گھر پہنچا اس نے خود کو سائنسی تجربات کے لئے وقف کر دیا۔ اب تک وہ انسانوں پر قابو پانے میں ناکام ہو گیا تھا' اب اس نے کوشش کی کہ کس طرح سے انسانیت فطرت پر قابو پالے۔

اس کی تحقیقات عملی ہوتی تھیں' اور اسے اپنے مطالعہ اور تجربات کے لئے کھیتوں' باغات اور اصطبلوں میں جانا ہوتا تھا' وہ گھنٹوں سالوں سے اس موضوع پر گفتگو کرتا کہ پھلوں کے درختوں پر قلمیں کیسے لگائی جائیں؟ اور وہ ڈیری میں کام کرنے والے لڑکیوں کو ہدایات دیتا کہ کس طرح سے ہر گائے کے دودھ کی پیمائش کی جائے۔ اس دوران میں اس کا واسطہ اصطبل میں کام کرنے والے ایک لڑکے سے پڑا۔ ہوا یہ کہ ایک مرتبہ ایک گھوڑا بیمار پڑ گیا اور لڑکا دن میں دو مرتبہ اس کے بارے میں خبریں دینے لگا' وہ لڑکے کے جذبہ اور اس کے مشاہدے کی خوبی سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

ایک شام کو وہ جب اصطبل کے دورے پر آیا تو اس نے ایک بوڑھی عورت کو

لڑکے سے مخاطب ہوتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنا'

"دیکھو خیال رکھنا' وہ ایک خراب آدمی ہے' وہ ایک بڑا امیر ہو گا' اور اس نے بڑی دولت بھی اکٹھی کر لی ہو گی۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ خراب آدمی ہے' وہ تمہارا آقا ہے' اس لئے اس کا کام تم ایمانداری سے کرو' مگر اس کو ہمیشہ ذہن میں رکھو کہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے"۔

فلسفی نے لڑکے کا جواب سننے کی زحمت گوارا نہیں کی' کیونکہ وہ فوراً" ہی پلٹا اور گھر چلا آیا' لیکن اس نے دیکھا کہ اس کے بعد بھی لڑکے کا رویہ اس کی طرف سے معمول کے مطابق رہا۔

جب گھوڑا ٹھیک ہو گیا تو وہ لڑکے کے ساتھ بہت سے دوروں پر گیا' اور اس نے اسے بہت سے معمولی کام بھی سپرد کئے۔ اور پھر وہ اس لڑکے سے اپنے تجربات کے بارے میں بات کرنے لگا۔ ایسے موقعوں پر وہ اس بات کی کوشش نہیں کرتا تھا کہ اپنا مدعا آسان الفاظ میں بیان کرے' جیسا کہ عام طور سے بالغ لوگ بچوں کے ساتھ گفتگو کے وقت کرتے ہیں' اس کے برعکس وہ اس سے اس طرح سے مخاطب ہوتا تھا جیسے کہ وہ ایک تعلیم یافتہ فرد ہو۔ اپنی زندگی کے ان پچھلے برسوں میں اس کا رابطہ اپنے وقت کے ذہین اور بڑے لوگوں سے پڑا تھا' جو کہ اس کی بات کو کم ہی سمجھ پاتے تھے' اس وجہ سے نہیں کہ وہ اپنی بات واضح نہیں کر سکتا تھا' بلکہ اس لئے کہ اس کی بات بہت واضح اور صاف ہوتی تھی۔ اس لئے وہ لڑکے کی باتوں سے پریشان نہیں ہوتا تھا بلکہ جب وہ اپنی بات واضح نہیں کر پاتا تھا تو اس کی اصلاح کرتا تھا۔

لڑکے کے اہم فرائض میں سے یہ تھا کہ وہ فطرت کے عمل کا مشاہدہ کر کے اور جو کچھ دیکھے اسے بیان کرے۔ فلسفی اسے یہ بتاتا کہ کتنے الفاظ ہیں کہ جن کے ذریعہ وہ خاص قسم کی اشیاء کے بارے میں بتا سکتا ہے' اور کچھ الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے استعمال کی اسے کوئی ضرورت نہیں' کیونکہ وہ بے معنی ہو۔ مثلاً" اچھا یا خوبصورت قسم کے الفاظ۔

لڑکے نے فوراً" اس کا اندازہ کر لیا کہ بھونرے کو برا کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس طرح سے "جلدی" بولنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اسے

جس چیز کے مشاہدے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ وہ دوسرے کیڑوں کے مقابلہ میں کس تیزی سے حرکت کرتا ہے' اور وہ یہ حرکت کرنے کے قابل کیوں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے ڈھلوان سطح کے اوپر رکھ دو اور پھر شور کر کے دیکھو کہ اس کی وجہ سے وہ کس طرح حرکت کرتا ہے' فلسفی نے اسے بتایا کہ جب وہ اس قسم کے تجربات اس کے ساتھ کرے گا تو اس کی بدصورتی اچانک ختم ہو جائے گی۔

ایک مرتبہ اسے روٹی کے ٹکڑے کے بارے میں بتانا تھا کہ جو اس کے ہاتھ میں تھا' فلسفی نے اس سے کہا۔

اب اس جگہ تم "اچھا" کو استعمال کر سکتے ہو' کیونکہ روٹی لوگوں کے کھانے کے لئے ہوتی ہے' اس لئے یہ اچھی یا بری ہو سکتی ہے۔ مگر ان چیزوں کے لئے کہ جو فطرت نے پیدا کی ہیں' اور انہیں خاص قسم کے مقصد کے استعمال کیا جاتا ہے' اور خاص طور سے انہیں انسان کے لئے نہیں بنایا گیا ہے' تو ان چیزوں کے لئے اس قسم کے تعریفی یا برائی کے الفاظ استعمال کرنا حماقت ہے۔

اس موقع پر لڑکے کے اپنی دادی کے الفاظ کو جو اس نے عالی مرتبت فلسفی کے لئے کہے تھے یاد کئے۔

اس کے بعد سے اس نے چیزوں کو سمجھنے میں اور ان کی تہہ تک پہنچنے میں بڑی جلدی ترقی کی' اور اس کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ ایک گھوڑا علاج کے بعد بہت جلد صحت مند ہو گیا' مگر ایک درخت علاج کے بعد بھی سوکھ کر خشک ہو گیا۔ اس کو اس کا بھی اندازہ ہو گیا کہ چیزوں کے مشاہدے میں کبھی بھی یقینی بات نہیں کی جا سکتی ہے' اور اس میں ہمیشہ شک و شبہ کا عنصر ضرور ہوتا ہے۔ اگرچہ لڑکا بیکن کے سائنسی تجربات میں اس کے طریقہ کار کو تو نہیں اپناتا تھا' مگر وہ جو کچھ دیکھتا تھا' اس سے اس میں جذبہ و جوش ضرور پیدا ہو جاتا تھا۔

اور یہ وہ طریقہ کار تھا کہ جس کے ذریعہ اُس نے فلسفی کو سمجھا تھا۔ اور اس کو محسوس ہوا تھا کہ ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے' اور انسانیت روز اپنے علم میں اضافہ کر رہی ہے' اور یہ علم انسانیت کی خوش حالی اور مسرت کے لئے ہے۔ اس علم کے اضافہ میں سائنس سب سے زیادہ اہم ہے' کیونکہ سائنس اس کائنات کے بارے میں تحقیق کرتی ہے'

زیادہ فوائد حاصل کئے جائیں۔ اہم چیز یہ نہیں کہ تم کس چیز پر ایمان رکھتے ہو' بلکہ یہ ہے تم کیا جانتے ہو۔ لوگ بہت زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں' مگر ان کا علم بہت کم ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آدمی کو ہر چیز پر تجربہ کرنا چاہئے اور کسی چیز کے بارے میں اس وقت بولنا چاہئے کہ جب خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور یہ کہ ان میں کوئی فائدہ بھی تلاش کرنا چاہئے۔

یہ ایک نئی تعلیم تھی' اور اس کی جانب بہت سے لوگ' جوش اور جذبہ کے ساتھ متوجہ ہوئے تاکہ اس کے تحت وہ نئے منصوبوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

اس تعلیم کو پھیلانے میں کتابوں نے بڑا حصہ لیا۔ اگرچہ ان میں بہت سی بڑی خراب کتابیں بھی تھیں' لڑکے کو یہ احساس بھی ہوا کہ اگر اسے ان لوگوں میں شامل ہونا ہے کہ جو نئے کام کر رہے ہیں تو اسے کتابیں پڑھنا ہوں گی۔

اگرچہ اسے کبھی یہ موقع نہیں ملا کہ وہ بیکن کی لائبریری سے مستفید ہو سکے کیونکہ اس کا کام عالی مرتبت امیر کے اصطبل کی خدمات سرانجام دینا تھیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا تھا کہ اگر عالی مرتبت کئی دن تک اصطبل میں نہیں آتے تو ان سے پارک میں ملاقات کر لیتا تھا' لیکن اس کی یہ خواہش بڑھتی رہی کہ وہ لائبریری میں جائے کہ جہاں ہر رات دیر تک لیمپ جلتا رہتا تھا' اور کبھی کبھی وہ جھاڑیوں سے الماریوں میں رکھی کتابوں کی قطار کو دیکھ لیتا تھا۔

اس کے بعد سے اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسے پڑھنا چاہئے۔

لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ جب وہ اس درخواست کے ساتھ علاقہ کے پادری کے پاس گیا تو اس نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ جیسے وہ ناشتہ کی میز پر پڑی ہوئی مکڑی کی مانند ہو۔

"کیا تم مقدس کتاب اپنے آقا کی گایوں کے لئے پڑھو گے؟ اس نے بڑے تمسخرے سے پوچھا۔ اور لڑکا اس لحاظ سے خوش قسمت تھا کہ اسے مار نہیں پڑی۔

چرچ میں عبادت کے وقت جب پادری دعائیں پڑھتا تھا' تو اس وقت یہ ممکن تھا کہ انہیں غور سے سنا جائے اور حروف اور لفظوں کے درمیان رشتوں کو سمجھا جائے۔ اس کے بعد سے لڑکے نے ان لاطینی الفاظ کو یاد کرنا شروع کر دیا کہ جو عبادت کے وقت پادری ادا کرتا تھا' اگرچہ اس میں دقت یہ تھی کہ پادری اکثر الفاظ کو اس طرح ادا کرتا تھا کہ ان کا تلفظ سمجھ میں نہیں آتا تھا' لیکن ان مشکلات کے باوجود کچھ عرصہ بعد لڑکا اس قابل ہو گیا کہ وہ ان دعائیہ نغموں کو دہرا سکتا تھا۔ اور ہوا یہ کہ ایک دن اس کے انچارج نے اسے یہ دعائیہ نغمے گاتے ہوئے سن لیا' اور اس نے سوچا کہ لڑکا شاید پادری کی نقل کر کے اس کا مذاق اڑا رہا ہے اس لئے اس نے اس کی پٹائی کر ڈالی اور اس طرح آخر کار اس کو سزا مل ہی گئی۔

ابھی اس کی تعلیم کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک نئی مصیبت آئی اور وہ یہ کہ عالی مرتبت امیر سخت بیمار پڑ گئے۔ وہ پورے موسم خزاں میں بیمار رہے یہاں تک کہ سردی کا موسم آگیا اور ایک دن وہ کھلی گاڑی میں بیٹھ کر کچھ میل کسی دوسری جاگیر میں گئے۔ اس موقع پر لڑکے کو ساتھ جانے کی اجازت مل گئی' اور وہ گاڑی میں کوچ بن کے ساتھ کھڑا تھا۔

جب وہ ہمسایہ کے جاگیردار سے ملاقات کے بعد واپس گاؤں میں سوار ہونے آرہا تھا تو اس نے سردی سے ٹھٹھرا ہوا چڑا دیکھا جو کہ زمین پر بے حس پڑا تھا' اسے دیکھ کر وہ رک گیا اور اپنے بیت سے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"یہ اس حالت میں کب سے پڑا ہے" اس نے اپنے میزبان سے پوچھا

میرا خیال ہے کہ ایک گھنٹہ بھی ہو سکتا ہے' اور ہفتہ بھی' میزبان نے جواب دیا۔

بوڑھا فلسفی خیالات میں ڈوبا ہوا' میزبان سے رخصت ہوا' اور مڑ کر لڑکے سے مخاطب ہو کر بولا' ڈک "اس کا گوشت اب تک بالکل تازہ ہے"۔ واپسی پر اندھیرا ہو گیا' اور اس کے ساتھ ہی سردی بھی بڑھ گئی' جب وہ اپنی حویلی میں داخل ہوئے تو اس وقت اتفاق سے ایک مرغی جو شاید ڈربے سے بھاگ کر آئی تھی گاڑی کی زد میں آگئی' اگرچہ کوچ مین نے کوشش کی کہ اس کو نظرانداز کرتا ہوا آگے بڑھ جائے مگر بوڑھے امیر نے اسے گاڑی روکنے کو کہا۔ اور خود کوچ مین کی اس تنبیہہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہ سردی بہت ہے' گاڑی سے باہر نکل آیا' اور لڑکے کے سہارے کے ساتھ اس جگہ پہنچا کہ یہاں مرغی پڑی ہوئی تھی' اس وقت تک وہ مر چکی تھی۔

بوڑھے امیر نے لڑکے سے کہا کہ وہ مرغی کو اٹھائے پھر اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ
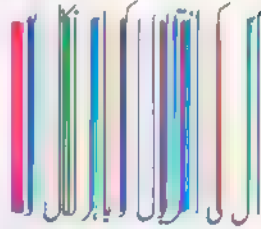
"کیا یہ کام باورچی خانہ میں ہو سکتا ہے؟" کوچ مین نے کہا' کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ بوڑھا سردی میں کھڑا ہے۔

"نہیں' اچھا یہی ہے کہ یہاں پر ہی ہو' اس نے کہا' میرا خیال ہے کہ ڈک کے پاس چاقو ہو گا' اور ہمیں تھوڑی سی برف بھی چاہئے"۔

لڑکے نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اس کو ہدایت دی گئی تھی' بوڑھا امیر بھی اپنی بیماری کو بھول کر سردی کی پرواہ کئے بغیر جھکا اور تھوڑی سی برف لے کر بڑے احتیاط سے اسے مرغی کے پیٹ میں بھر دیا' لڑکا اب سمجھ چکا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ اسے برف دیتا رہا' یہاں تک کہ مرغی پوری طرح سے اس برف میں دب گئی۔

"اب یہ ہفتوں تازہ رہے گی۔ بوڑھے امیر نے جوش سے کہا' اب تم اسے تہہ خانہ میں ٹھنڈے پتھر پر رکھ دینا۔

اس کے بعد وہ لڑکے کے سہارے سے گھر کے دروازے تک گیا۔ اس پورے عمل سے وہ خاصہ تھکا معلوم ہو رہا تھا' جب اس نے دہلیز پر قدم رکھا ہے تو اس وقت وہ سردی سے کپکپا رہا تھا۔

دوسرے دن وہ سخت بخار کی حالت میں تھا۔

لڑکے کو جب اس کی خبر ملی تو اس کی کوشش رہی کہ وہ اپنے استاد کی حالت کے بارے میں باخبر رہے مگر اس میں اسے کم ہی کامیابی ہوئی۔ جاگیر پر زندگی معمول کے مطابق رہی۔ ہاں تیسرے دن ایک تبدیلی ضرور آئی کہ اسے مطالعہ کے کمرے میں بلایا گیا۔

بوڑھا آدمی لکڑی کے بستر پر کمبلوں میں لپٹا ہوا لیٹا تھا۔ لیکن کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی' اور اس وجہ سے کمرہ خاصہ ٹھنڈا تھا اور بوڑھا آدمی خوشی کی حالت میں تھا اس نے کانپتی ہوئی آواز میں برف سے لدی ہوئی مرغی کے بارے میں دریافت کیا۔

لڑکے نے بتایا کہ وہ اب تک بالکل تازہ ہے۔

"بہت خوب" بوڑھے آدمی نے کہا' مجھے اس کے بارے میں دو دن بعد خبر دینا"

جب وہ واپس ہوا تو اس نے افسوس کے ساتھ سوچا کہ اسے مرغی کو اپنے ساتھ لانا چاہئے

تھا۔ اس کے خیال میں بوڑھا آدمی اس قدر بھی بیمار نہیں تھا جیسا کہ ملازمین اس کے بارے میں کہہ رہے تھے۔

ہر دوسرے دن وہ مرغی کی برف بدل دیتا تھا' اور مرغی اب تک خراب نہیں ہوئی تھی' اس بار جب وہ یہ رپورٹ دینے کے لئے بیمار کے کمرے میں جانے لگا تو اس کے سامنے کچھ مشکلات آگئیں۔ اس عرصہ میں دارالحکومت سے ڈاکٹر آچکے تھے' اور برآمدے میں خاموشی سے بولنے کی آوازیں' احکامات' اور ہدایات سنائی دے رہی تھیں اور بہت سے انجانے چہرے ادھر ادھر حرکت کرتے نظر آرہے تھے۔ ایک ملازم نے جس کے پاس کپڑے سے ڈھکی ایک ٹرے تھی اسے درشتی کے ساتھ وہاں سے چلے جانے کو کہا۔

اس دن صبح سے دوپہر تک اس نے کئی مرتبہ بیمار کے کمرے میں جانے کی کوشش کی۔ اس وقت تک اجنبی ڈاکٹر گھر میں آچکے تھے' وہ اسے ایسے نظر آتے جیسے کے کالے پرندے ہوں جو کہ کمزور نحیف بیمار پر جھپٹ پڑے ہوں۔ شام ہوتے ہوتے وہ برآمدے کی ایک الماری میں چھپ گیا جو کہ بڑی سرد تھی' اور اس وجہ سے وہ سردی سے کانپتا رہا' لیکن وہ خوش تھا اور سوچ رہا تھا کہ مرغی کو ہر قیمت پر سرد جگہ میں رکھنا چاہئے' کیونکہ یہ تجربہ کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

شام کے کھانے کے وقت سیاہ لباس میں ملبوس ڈاکٹروں کی قطار غائب ہو گئی اور اسے موقع مل گیا کہ وہ الماری سے نکل کر بیمار کے کمرے میں چلا جائے۔

بیمار آدمی اکیلا لیٹا ہوا تھا۔ کیونکہ ہر کوئی کھانے کے لئے گیا ہوا تھا۔ پڑھنے کے لئے لیپ جس کی سبز روشنی بستر پر پڑ رہی تھی' اس کے قریب رکھا تھا' بوڑھے آدمی کا چہرہ خاص طور سے مرجھا گیا تھا اور سفید نظر آرہا تھا' اس کی آنکھیں بند تھیں' لیکن اس کے ہاتھ چادر پر مسلسل حرکت کر رہے تھے۔ کمرہ بڑا گرم تھا' کیونکہ انہوں نے کھڑکیاں بند کر رکھی تھیں۔

لڑکے نے چند قدم بستر کی جانب بڑھائے اس کے ہاتھوں میں اس وقت بھی مرغی تھی' اور آہستہ سے کئی مرتبہ ان الفاظ کو دہرایا "عالی جناب" پر اس کو کوئی جواب نہیں ملا' بیمار سو نہیں رہا تھا' کیونکہ اس کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ بول رہا ہے۔

لڑکے نے بالآخر فیصلہ کیا کہ وہ اس کو اپنی طرف متوجہ کرے' کیونکہ تجربہ کے لئے
اسے مزید ہدایات کی ضرورت تھی' لیکن اس سے پہلے کہ وہ چادر کو ہٹاتا اور بات کرتا کسی

نے اسے زور دار طریقہ سے کھینچا' ایک موٹا سا شخص اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کہ وہ کوئی قاتل ہو' اس نے ایک ہی لمحہ میں خود کو اس کی گرفت سے چھڑایا' سرد مرغی کو اٹھایا اور کمرے سے بھاگ کھڑا ہوا۔

اس نے محسوس کیا کہ برآمدے میں اسے سیڑھیوں سے اترے ہوئے ایک ملازم نے دیکھ لیا ہے' وہ سوچنے لگا کہ وہ کس طرح اسے سمجھائے گا کہ یہاں پر وہ عالی مرتبت سے ملنے کے لئے ایک تجربہ کی وجہ سے آیا تھا' اور صورت حال یہ تھی کہ بوڑھا آدمی مکمل طور پر ڈاکٹروں کے قابو میں تھا۔ اس کا اندازہ اسے یوں تھا کہ اس کے کمرے کی تمام کھڑکیاں بند تھیں۔

پھر اس نے دیکھا کہ ایک ملازم صحن کو پار کر کے اصطبل کی جانب جا رہا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس سے بچے' لہٰذا اس نے مرغی کو تہہ خانہ میں رکھ کر خود چارہ کے اوپر لیٹ کر سو گیا۔ اسے ڈر تھا کہ اس عرصہ میں اس کی تلاش کی جا رہی ہو گی اس وجہ سے رات کو اسے ٹھیک سے نیند نہیں آئی' اور اسی وجہ سے صبح کو وہ ڈرتا ہوا اپنی خفیہ جگہ سے نکل کر باہر آیا۔

لیکن اس کی جانب کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اس نے دیکھا کہ صحن میں لوگ ادھر سے ادھر آجا رہے ہیں۔ عالی مرتبت امیر صبح ہوتے ہوتے وفات پا چکے تھے۔

اس خبر کو سننے کے بعد لڑکے کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس کے سر پر کسی نے بھاری پتھر مار دیا ہو' اور اسے یوں محسوس ہوا کہ وہ اپنے استاد کے اس نقصان کی کبھی بھی تلافی نہیں کر سکے گا' اور جب وہ تہہ خانہ میں برف کا پیالہ لے کر گیا تو اس کا دکھ اور بھی زیادہ بڑھ گیا کیونکہ اس کا تجربہ ادھورا ہی رہ گیا' اس کا دل بھر آیا اور اس کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ اب اس نئی اور عظیم دریافت کا کیا ہو گا؟

وہ واپس صحن کی جانب گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ جیسے اس کے پیر پہلے کے مقابلہ میں زیادہ وزنی ہو گئے ہیں۔ اور اس لئے اس نے برف میں پڑے ہوئے اپنے پیر کے نشانوں کو غور سے دیکھا کہ یہ ویسے ہی ہیں یا بدلے ہوئے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ لندن کے ڈاکٹر

ابھی تک گئے نہیں تھے ان کی گاڑیاں ویسے ہی کھڑی تھیں۔

اگرچہ وہ ان کو پسند نہیں کرتا تھا' مگر پھر بھی اس نے سوچا کہ وہ اپنی دریافت کے بارے میں ان سے بات کرے، وہ عالم لوگ ہیں اور یقیناً وہ تجربہ کی اہمیت کو تسلیم کریں گے۔ وہ سرد مرغی کے بکس کو بغل میں دابے ہوئے خاموشی سے ایک جگہ چھپ کر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ ایک موٹا شخص برآمد ہوا' وہ دیکھنے میں کوئی زیادہ بارعب نہیں لگ رہا تھا' اسے دیکھ کر لڑکا آگے بڑھا' پہلے تو اس کی آواز اس کے حلق ہی میں پھنس کر رہ گئی لیکن بالآخر وہ اپنی بات کو ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ادا کرنے کے قابل ہو ہی گیا۔

"جناب عالی!" عالی مرتبت امیر نے چھ دن پہلے اس کو مردہ حالت میں پایا تھا' ہم نے اس میں برف بھر دی تھی' ان کا خیال تھا کہ اس طرح سے یہ تازہ رہے گی۔ آپ ملاحظہ کریں یہ اب تک تازہ ہے"۔

موٹے آدمی نے حیرانگی کے عالم میں اس بکس کو گھورا' اور اس سے پوچھا "اور یہ کیا ہے؟" لڑکے کے جواب میں کہا "یہ اب تک خراب نہیں ہوئی ہے"۔

اوہ! موٹے نے جواب دیا۔

"جناب آپ خود ملاحظہ کریں" لڑکے نے اسے اکساتے ہوئے کہا۔

اچھا' اچھا' موٹے آدمی نے سرہلاتے ہوئے کہا' اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔

لڑکا حیرانی کے ساتھ اسے جاتے ہوئے تکتا رہا' وہ اس موٹے آدمی کو پوری طرح سے سمجھ نہیں پایا' اور وہ سوچنے لگا کہ کیا وہ بوڑھا آدمی اس سردی میں بھی اس تجربہ کی خاطر کھڑا نہیں ہوا تھا؟ تو کیا اس نے خود اپنے ہاتھوں سے برف کو اکٹھا نہیں کیا تھا؟ یہ ایک حقیقت تھی۔

لڑکا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا تہہ خانہ تک گیا' مگر تھوڑی دیر باہر کھڑے رہ کر سوچنے کے بعد وہ باورچی خانہ کی طرف بھاگا۔ اس نے دیکھا کہ باورچی بڑا مصروف ہے وہ مہمانوں کے لئے شام کا کھانا تیار کر رہا تھا۔

"تم اس مرغی کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟" اس نے بڑبڑاتے ہوئے لڑکے سے سوال پوچھا یہ تو بالکل سرد ہے۔۔۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لڑکے نے کہا' عالی مرتبت آقا نے کہا تھا کہ اس سے

کوئی فرق نہیں پڑتا ـــــ"

باورچی نے خالی آنکھوں سے اسے گھورا اور پھر بڑا فرائی پین ہاتھ میں لئے دروازے تک گیا تاکہ کوئی چیز باہر پھینک دے۔

لڑکا بکس لئے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے گیا' اور پھر اس سے التجا کرنے لگا کہ کیا تم اسے پکا سکتے ہو؟

اب باورچی کو غصہ آگیا' اس نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے مرغی کو پکڑا اور اسے زور دار طریقے سے اچھال کر باہر پھینک دیا' اور غراتے ہوئے چلایا۔ کیا تجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوجھا اس وقت بھی کہ جب کہ عالی مرتبت آقا وفات پا چکے ہیں"۔

لڑکے نے غصہ سے سے مرغی کو اٹھایا اور خاموشی سے چلدیا۔

دو دن تجہیز و تکفین کی تیاریوں میں گزر گئے۔ اور اسے بہت سارا کام کرنا پڑا' گھوڑوں کو تیار کرنا اور پھر ان کی مالش کرنا' لیکن اس تھکاوٹ کے باوجود رات کو وہ باہر جاتا اور بکس میں تازہ برف بھر دیتا۔ اس وقت تک اسے ہر چیز بیکار اور فضول نظر آنے لگی' اور جس نئے دور کی اسے خوشی تھی وہ اسے ختم ہوتا ہوا نظر آیا۔

لیکن تیسرے دن جو بیکن کو دفن کرنے کا دن تھا اس دن وہ نہلایا دھویا اور نئے کپڑے پہنے۔ اس سے اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا۔ یہ ایک خوشگوار اور سہانی سردیوں کی صبح تھی جب کہ چرچ کی گھنٹیوں سے پورا گاؤں گونج رہا تھا۔

نئی امید کے ساتھ وہ تہہ خانہ میں گیا۔ وہ دیر تک مردہ مرغی کو گھورتا رہا' اس نے اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں دیکھی' اس کے جسم کا کوئی حصہ بھی سڑا یا گلا ہوا نہیں تھا۔ اس نے احتیاط سے اسے بکس میں رکھا' اور بکس صاف اور تازہ برف سے بھرا اور پھر اسے بغل میں داب کر وہ گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

خوشی سے سیٹی بجاتا ہوا' وہ دادی اماں کے باورچی خانہ میں داخل ہوا' چونکہ اس کے والدین جولائی ہی میں مر گئے تھے۔ اس لئے اس کی پرورش اس کی دادی نے کی تھی' اس نے بوڑھی عورت کو بکس دکھائے بغیر اس واقعہ کی تفصیل بتائی جو کہ عالی مرتبت آقا نے تجربہ کے لئے کی تھیں۔

"لیکن یہ تو ہر کوئی جانتا ہے' عورت نے اس کی بات سن کر کہا' سردی میں یہ سخت

ہو جاتی ہیں اور کچھ وقت کے لئے انہیں تازہ رکھا جا سکتا ہے' اس میں ایسی خاص بات کیا ہے---"

"میرا خیال ہے کہ تم اسے اس وقت بھی کھا سکتی ہو" لڑکے نے جواب دیا اور ظاہر کیا کہ جیسے یہ کوئی خاص بات واقعی نہ ہو۔

"ایک ہفتہ کی مری ہوئی مرغی کو کھایا جائے' یہ تو اب تک زہریلی ہو چکی ہو گی"

"اگر یہ اپنے مرنے کے بعد سے اب تک ذرا بھی نہیں بدلی' تو پھر یہ کیوں زہریلی ہو گی؟ یہ صحت مند تھی اور عالی مرتبت کی گاڑی میں آکر حادثہ میں مری ہے"۔

لیکن اندر سے یہ خراب ہو چکی ہے' بوڑھی عورت نے غصہ سے کہا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے" لڑکے نے یقین سے کہا اور اس نے چمکیلی آنکھوں سے مرغی کو دیکھا۔ "اس کے اندر تمام وقت برف بھری رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے پکایا جائے"۔

یہ سن کر بوڑھی عورت کو واقعی غصہ آگیا' اور اس سے مخاطب ہو کر بولی تمہیں میرے ساتھ قبرستان چلنا ہے' عالی مرتبت آقا تمہارا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے' لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ تم ان کے تابوت کے پیچھے ادب کے ساتھ چلو۔

لڑکے نے کوئی جواب نہیں دیا' جب کہ وہ اپنے کالے اون کے رومال کو اپنے سر پر باندھ رہی تھی۔ لڑکے نے مرغی کے اندر ٹھسی ہوئی برف کو باہر نکالا اور برف کے آخری ٹکڑے کو جھٹکا دے کر پھینکا اور چولہے کے سامنے پڑے ہوئے لکڑی کے ٹھنوں پر اسے رکھ دیا تاکہ وہ گرم ہو جائے۔

بوڑھی عورت نے اس کی ان حرکتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی' جیسے ہی وہ تیار ہوئی' اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر دروازے سے باہر چلی گئی' تھوڑی دیر تک تو وہ اس کے ساتھ فرماں برداری کے ساتھ چلا۔ راستہ میں انہیں اور لوگ ملے جو کہ قبرستان جا رہے تھے۔ اچانک اس نے درد کے مارے ایک چیخ ماری۔ اس کا ایک پاؤں برف میں پھنس گیا تھا۔ اس لئے اسے بڑی مشکل سے باہر نکالا' اور لنگڑاتا ہوا میل کے لئے گئے پتھر تک گیا اور وہاں بیٹھ کر اپنا پیر سہلانے لگا۔

"مجھے بڑی تکلیف ہو رہی ہے" اس نے کہا

بوڑھی عورت نے اسے شک کی نظروں سے دیکھا اور کہنے لگی۔ "مگر تم ٹھیک

ٹھاک چل سکتے ہو"۔

"نہیں" اس نے اداسی سے کہا' اگر تمہیں یقین نہیں ہے' تو تم ٹھیک ہونے تک میرے پاس بیٹھ جاؤ"۔

بوڑھی عورت ایک لفظ کہے بغیر اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس طرح پندرہ منٹ گذر گئے' ان کے سامنے سے گاؤں کے لوگ گزرتے رہے' اور وہ دونوں سڑک کے کنارے بیٹھے رہے۔

کچھ دیر بعد بوڑھی عورت نے سنجیدگی سے کہا "کیا اس نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہئے"۔

لڑکے نے کوئی جواب نہیں دیا' عورت کھڑی ہو گئی۔ کیونکہ اس کے لئے سردی ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔

"اگر تم دس منٹ میں میرے پیچھے نہیں آئے تو میں تمہارے بھائی سے شکایت کروں گی اور وہ تمہیں مار مار کر ٹھیک کر دے گا ـــــ"

اس کے بعد وہ لڑکھڑاتی ہوئی چل دی' وہ دفن کے وقت کی تقریر کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

لڑکا اسی طرح بیٹھا رہا' جب اس نے دیکھا کہ وہ زیادہ دور چلی گئی ہے تو وہ آہستہ سے اٹھا' اس نے پلٹ کر دو ایک بار دیکھا' اور تھوڑی دور تک لنگڑاتا ہوا چلا جب ایک جھاڑی نے اسے بوڑھی عورت کی نظروں سے چھپالیا' تو اس نے معمول کے مطابق چلنا شروع کر دیا۔

گھر جا کر وہ مرغی کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی طرف دیکھنے لگا' اس نے ارادہ کیا کہ وہ اسے برتن میں ابال لے اور اس کی ایک ٹانگ کھا کر دیکھے اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ وہ زہریلی ہے یا نہیں۔

وہ اسی طرح سے بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے تین مرتبہ توپ کے چلنے کی آواز سنی یہ فرانسس بیکن' ویرولم کے بیرن' سینٹ البن کے وائس کاؤنٹ' اور سابق لارڈ چانسلر کے اعزاز میں تھیں۔ اس نے اپنے چند ہم عصروں کے دل میں اپنے لئے نفرت ہی پیدا نہیں کی' بلکہ کچھ دلوں میں سائنسی تجربات کا ذوق و شوق بھی پیدا کیا۔

------------○------------

"کے" کی کہانیاں

ٹھہر جانا سب سے بڑی دانشمندی ہے

جناب "کے" کے پاس فلسفہ کا ایک پروفیسر آیا' اور ان کے سامنے اپنی دانش مندی کی باتیں کرنے لگا' تھوڑی دیر بعد جناب کے نے اس سے کہا۔ "آپ بے چینی کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ جلدی جلدی بولتے ہیں اور پریشانی کے عالم میں سوچتے ہیں"۔

فلسفہ کا پروفیسر غصہ میں آگیا اور بولا "میں اپنے بارے میں جاننا نہیں چاہتا بلکہ اس مواد کے بارے میں سننے چاہتا ہوں جو کچھ کہ میں نے کہا ہے"۔

"لیکن آپ نے جو کچھ کہا اس میں تو کوئی مواد ہی نہیں ہے" جناب کے نے کہا "جب میں آپ کو قالین پر چلتا ہوا دیکھتا ہوں' تو مجھے آپ کی کوئی منزل نظر نہیں آتی اور جو باتیں آپ کرتے ہیں' اس میں سوائے اندھیرے کے کوئی روشنی نہیں ہے۔ اور جب آپ چلتے چلتے رک جاتے ہیں تو پھر مجھے آپ سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی"۔

تنظیم

جناب کے نے ایک مرتبہ کہا "سوچنے والا نہ تو کبھی زیادہ روشنی استعمال کرتا ہے نہ زیادہ کھاتا ہے' اور نہ ہی زیادہ سوچتا ہے"۔

ظلم

ایک مرتبہ جناب کے نے ایک نشست میں ظلم کے خلاف لوگوں کے سامنے بہت کچھ کہا' تھوڑی دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے لوگ جانا شروع

ہو گئے' انہوں نے ادھر ادھر دیکھا تو ان کے پیچھے ظلم کھڑا تھا۔

"تم ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے" اس نے سوال کیا۔
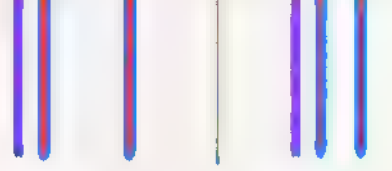
"میں ظلم کے خلاف بول رہا تھا' جناب کے نے کہا۔

بعد میں ان کے شاگردوں نے ان کی پیٹھ کی حالت کے بارے میں پوچھا' تو جناب کے نے کہا "میری کوئی پیٹھ ہی نہیں کہ جس پر کوئی کوڑے مارے۔ میں ظلم کے مقابلہ میں زیادہ عرصہ زندہ رہوں گا"۔

اس کے بعد جناب کے نے مندرجہ ذیل کہانی سنائی۔

جناب ایگیے کہ جن کی عادت تھی کہ وہ کبھی کسی بات سے انکار نہیں کرتے تھے ایک دن ان کے پاس ایک شخص آیا' اور انہیں ایک فرمان دکھایا کہ جس کے تحت شہر کے حاکم نے یہ حکم دیا تھا کہ "وہ شخص جس گھر میں قدم رکھ دے' وہ گھر اس شخص کا ہو جائے گا اور جس کھانے کی وہ خواہش کرے گا وہ اسے مہیا کیا جائے گا۔ اور جس شخص سے بھی وہ خدمت کا کہے' اسے اس کی خدمت کرنا پڑے گی"۔

فرمان دکھانے کے بعد وہ شخص کرسی پر بیٹھ گیا' اور کھانے کی خواہش کی۔ کھانے کے بعد وہ دیوار کی طرف منہ کر کے سونے کے لئے لیٹ گیا اور بولا میری خدمت کرو۔

جناب ایگیے نے اس پر کمبل ڈال دیا' اور اس پر سے مکھیاں اڑانے لگے جب تک وہ سوتا رہا' یہ جاگتے رہے۔ اس طرح انہوں نے سات سال تک اس کی خدمت کی' اس دوران میں اس نے ایک لفظ بھی بھلائی کا نہیں کہا' اچھے کھانوں' آرام اور حکم چلانے کی وجہ سے وہ شخص موٹا ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ مر گیا۔

جناب ایگیے نے اسے گندے کمبل میں لپیٹا' اور گھر سے باہر پھینک دیا' اس کے بعد انہوں نے اپنا گھر دھویا' دیواریں صاف کیں' اور اطمینان کا سانس لے کر جواب دیا "نہیں"

اہل علم

وہ لوگ جو کہ علم کے بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ انہیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ جدوجہد کریں' سچ بولیں' خدمت کریں۔ کسی بات کو جانیں اور اپنی عزت داؤں پر

لگائیں۔ جو علم کے بوجھ کو اٹھاتا ہے وہ تمام اچھائیوں میں سے صرف ایک کا حامل ہوتا ہے اور وہ یہ کہ وہ علم کا بوجھ اٹھاتا ہے۔

یہ جناب کے نے کہا۔

کھانا کس لئے؟

جناب کے نے بیان کیا کہ ہر صبح میرا ہمسایہ گراموفون پر موسیقی بجاتا ہے۔ وہ موسیقی کیوں بجاتا ہے؟ میں سنتا ہوں جب کہ وہ ورزش کرتا ہے۔ وہ ورزش کیوں کرتا ہے! کیونکہ اسے توانائی کی ضرورت ہے' اسے توانائی کی کیوں ضرورت ہے؟ تاکہ شہر میں وہ اپنے دشمنوں پر غلبہ پا سکے' وہ دشمن پر غلبہ کیوں پانا چاہتا ہے! میں نے اس کی یہ دلیل سنی کہ اس طرح سے وہ اپنے لئے خوراک حاصل کر سکے گا۔

جناب کے نے اس پر کہا کہ ان کا ہمسایہ اس لئے موسیقی بجاتا ہے تاکہ وہ ورزش کر سکے' ورزش اس لئے کرتا ہے تاکہ توانائی حاصل کر سکے۔ توانائی اس لئے حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ دشمن کو مغلوب کر سکے' دشمن کو مغلوب کرنا چاہتا ہے تاکہ خوراک حاصل کر سکے۔

اس پر انہوں نے یہ سوال اٹھایا کہ "آخر وہ کھانا ہی کیوں کھاتا ہے؟"

رشوت نہ دینے کا فن

ایک شخص جس کی شہرت تھی کہ وہ رشوت نہیں لیتا ہے' اس کا تعارف جناب کے نے ایک تاجر سے کرایا' دو ہفتہ بعد وہ تاجر جناب کے کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ تمہارا رشوت نہ لینے سے کیا مطلب ہے"۔

جناب کے نے جواب دیا "جس آدمی سے میں نے تمہارا تعارف کرایا' اس کی شہرت ہے کہ وہ رشوت نہیں لیتا ہے' اس کا مطلب ہے کہ تم اسے رشوت نہیں دے سکتے ہو" "اچھا" تاجر نے اداسی کے ساتھ کہا "مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ میرے دشمنوں سے رشوت نہ لے لے"۔

"اس کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا" جناب کے نے خشکی کے ساتھ
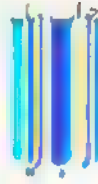
"اگرچہ وہ شخص باتیں تو بڑی کرتا ہے' مگر میں اسے رشوت دے چکا ہوں" تاجر نے تلخی سے کہا۔

جناب کے زور سے ہنسے اور بولے "لیکن مجھ سے تو وہ رشوت نہیں لے سکا"۔

قوم پرستی

جناب کے اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ کسی ایک خاص ملک ہی میں رہا جائے ان کا کہنا ہے کہ "میں ہر جگہ بھوکا رہ سکتا ہوں" ایک مرتبہ وہ ایک ایسے شہر سے گزرے جو دشمنوں کے قبضہ میں تھا' اور انہوں نے وہاں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک دن وہ معزز شہریوں کے راستہ پر جارہے تھے کہ دشمن فوج کے افسر نے انہیں مجبور کیا کہ وہ راستہ چھوڑ دیں۔ جناب کے فٹ پاتھ سے تو نیچے اتر آئے' مگر انہیں اس افسر اور اس کے ملک پر بڑا غصہ آیا' اور ان کی شدید خواہش ہوئی کہ وہ ہر چیز کو تہس نہس کر دیں۔

"میں کیوں اس لمحہ قوم پرست بن گیا؟ جناب کے نے سوا کیا'

"اس لئے کہ میرا مقابلہ ایک دوسرے قوم پرست سے ہوا۔ انسان جب حماقتوں سے ٹکراتا ہے تو اس سے بھی حماقتیں سرزد ہونے لگتی ہیں"

کیا خدا ہے؟

کسی نے جناب کے سے سوال کیا کہ کیا خدا کا وجود ہے' جناب کے نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا "میں تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم ذرا سوچو کہ کیا تمہاری حالت اس سوال کے جواب سے بدلے گی' اگر یہ نہیں بدلتی ہے تو ہم اس سوال کو اسی طرح چھوڑ دیں گے۔ لیکن اگر یہ بدلتی ہے تو میں تمہاری کم از کم اتنی مدد کر سکتا ہوں کہ تم سے کہوں کہ تم نے خود یہ فیصلہ کر لیا ہے اور تمہیں ایک خدا کی ضرورت ہے"۔

جناب کے نے وطن کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیا تھا کہ "میں ہر جگہ بھوکا رہ سکتا ہوں" اس پر ان کے ایک سامع نے سوال کیا کہ وہ کس طرح ایک ایسی جگہ بھوکے رہ سکتے ہیں کہ جہاں حقیقت میں کھانے کے لئے موجود ہو۔

جناب کے نے خود کو صحیح ثابت کرتے ہوئے اس طرح جواب دیا کہ۔

"میرا خیال ہے کہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں ہر جگہ رہ سکتا ہوں' اگر مجھ میں زندہ رہنے کی خواہش ہو' چاہے وہاں پر بھوک کی حکومت ہو۔ میں مانتا ہوں کہ یہاں ایک بڑا فرق ہے کہ کیا میں بھوکا رہوں' یا میں وہاں زندہ رہوں جہاں بھوک کی حکمرانی ہو۔ لیکن میں معافی کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں بھوک کی حکمرانی ہو وہاں بھوکا رہنا اتنا برا نہیں کہ جتنا زندہ رہنا۔ شاید دوسروں کے لئے یہ اہم نہ ہو کہ میں بھوکا ہوں' لیکن میرے لئے یہ ضروری ہے کہ میں اس کے خلاف رہوں کہ بھوک کی حکمرانی کیوں ہے!"

بے یار و مددگار لڑکا

جناب کے نے ایک مرتبہ اس خرابی اور ناانصافی کے بارے میں کہ جس پر خاموش رہا جائے اور جو انسان کو اندر ہی اندر کھا جائے یہ کہانی سنائی کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے گزرتے ہوئے ایک بچے کو روتے ہوئے دیکھا اور اس سے اس کی تکلیف کی وجہ دریافت کی۔ بچے نے کہا کہ اس نے سینما جانے کے لئے دو سکے جمع کئے تھے کہ ایک نوجوان آیا اور میرے ہاتھ سے ایک سکہ چھین کر لے گیا' یہ کہہ کر اس نے اشارہ سے اس نوجوان کو بتایا جو دور جاتا دکھائی دے رہا ہے۔

"کیا تم مدد کے لئے نہیں چلائے!" آدمی نے سوال کیا۔

"ہاں ہاں" لڑکے نے روتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہاری چیخ و پکار کسی نے نہیں سنی" اس آدمی نے محبت سے اس سے پوچھا۔

"نہیں" بچے نے رو کر کہا۔

"کیا تم اور زور سے نہیں چیخ سکتے!" آدمی نے سوال کیا۔

"نہیں" بچے نے جواب دیا' اور آدمی کو پر امید نگاہوں سے دیکھا اس پر وہ آدمی

"تب تم دوسرا سکہ بھی دیدو" اس نے یہ کہہ کر بچے سے سکہ چھینا اور اطمینان
سے چل دیا۔

-----------○-----------

جنگ بلقان

ایک بوڑھا آدمی سفر پر روانہ ہوا' راستہ میں اس پر چار نوجوانوں نے حملہ کیا اور اس کا سامان لوٹ لیا' غم زدہ بوڑھا آگے روانہ ہوا' تھوڑی دور جا کر اس نے گلی کے کونے پر حیرانی کے ساتھ دیکھا کہ ان چار لیٹروں میں سے تین اپنے ساتھی پر ٹوٹ پڑے اور اس سے اس کے حصہ کا مال چھین لیا' اور اسے مار کر ایک طرف گرا دیا۔ بوڑھے آدمی کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی اور وہ تیز تیز چلتا ہوا قریبی شہر میں گیا اور فوراً عدالت میں گیا تاکہ اپنا مقدمہ دائر کرے۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ چاروں نوجوان برابر برابر کھڑے ہیں' اور اس کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔ واقعہ سن کر عقل مند اور انصاف پسند جج نے مندرجہ ذیل فیصلہ سنایا :

"بوڑھے آدمی کو چاہیے کہ اپنی آخری چیز بھی ان نوجوانوں کو دیدے ورنہ یہ چاروں نوجوان بے اطمینانی کی وجہ سے ملک میں بدامنی اور انتشار پھیلائیں گے"۔

جرمن میوزیم کی مختصر سیر

آداب عرض
اوں !
تو پھر کیا آپ نہیں پڑھ سکتے کہ آج فلکیات کا شعبہ بند ہے۔
وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر دیکھئے میں صرف ایک دن کے لئے یہاں ہوں۔
اور آج ہی آپ فلکیات کا شعبہ دیکھنا چاہتے ہیں۔
جی ہاں۔
جو کہ آج بند ہے۔
اچھا ! تو کیا میں ڈائریکٹر سے مل سکتا ہوں۔
ہوں' تو آپ ڈائریکٹر سے ملنا چاہتے ہیں' ویسے آپ ان سے ملنے کے بعد کیا کریں گے !
میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ شاید ڈائریکٹر صاحب کچھ کر سکیں۔
آپ ذرا راستہ چھوڑ کر کھڑے ہوں' ویسے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ڈائریکٹر صاحب بھی کچھ نہیں کر سکتے۔
آداب عرض۔
اوں !
کیا آپ ہی ڈائریکٹر ہیں۔
جی ہاں ! فرمایئے ! آپ کیا چاہتے ہیں !
معاف کیجئے ! میں چاہتا ہوں کہ شعبہ فلکیات جو آج بند ہے' اس کو دیکھوں۔
آخر کس لئے !
میں اس موضوع پر کچھ کام کر رہا ہوں' میں ایک ادیب ہوں۔
اچھا تو آپ ادیب ہیں۔ آپ کا نام کیا ہے؟

بریخت۔

اچھا۔

میں یہاں صرف ایک دن کے لئے ہوں۔

آپ کہاں سے آئے ہیں؟

برلن سے۔

اچھا! اور آپ فلکیات کا شعبہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

جی ہاں! آپ کی مہربانی ہو گی۔

جو آج بند ہے۔

جی ہاں' مگر یہ آخر کیوں ممکن نہیں' مجھے صرف ایک چوکیدار ک
ے ساتھ رہے۔ غیر معمولی صورت حال میں تو یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ او
وں کے لئے ہی نہیں بلکہ لوگوں کے لئے ہے' خاص طور سے وہ جو
کے لئے یہاں آتے ہیں۔

مگر آپ یہ چیزیں آخر برلن میں کیوں نہیں دیکھ لیتے۔

میرا خیال ہے کہ یہاں پر کچھ چیزیں اچھی ہیں۔

کسی اور جگہ پر شاید یہاں سے بھی زیادہ اچھی ہوں۔

واقعی۔

میں جو کہہ رہا ہوں۔

کیا میں یہاں سے باہر جا سکتا ہوں؟

کیا آپ پڑھ نہیں سکتے ہیں؟

کیوں نہیں۔

کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ سامنے "باہر جانے کا راستہ" لکھا ہے۔

کیا آپ چوکیدار ہیں۔

جی ہاں!

فقیر اور مردہ کتا

ایک دروازہ۔ اس کے دائیں جانب چیتھڑوں میں لپٹا ہوا ایک فقیر بیٹھا ہے کہ جس کے سر کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ چیتھڑوں میں اس نے ایک باجے کو چھپا رکھا ہے۔ صبح کا وقت ہے۔ توپ کا گولہ چلتا ہے۔ اسٹیج پر بادشاہ معہ سپاہیوں کے داخل ہوتا ہے۔ اس کے لمبے سرخ بال کھلے ہوئے لہرا رہے ہیں۔ وہ ارغوانی لبادے میں لپٹا ہوا ہے گھنٹیاں بج رہی ہیں۔

بادشاہ : میں اپنے سب سے بڑے دشمن پر فتح کی خوشیاں منانے جانے والا ہوں۔ اور اس وقت جب کہ پورے ملک میں خوشبو کے ساتھ ساتھ میرا نام مہک رہا ہے۔ اس وقت یہ فقیر بدبو میں لپٹا ہوا میرے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے۔ بہرحال اپنی مصروفیات کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ اس شخص سے کہ جس کی کوئی حیثیت نہیں، کچھ دوچار باتیں کرلوں۔ (سپاہی پیچھے ہٹ جاتے ہیں) اوہ بدنصیب! تجھے پتہ ہے کہ یہ گھنٹیاں کیوں بج رہی ہیں؟

فقیر: ہاں! کیونکہ میرا کتا مر گیا ہے۔

بادشاہ : کیا بے شری ہے۔

فقیر : نہیں، بوڑھاپے کی وجہ سے مرا ہے۔ اس نے آخر وقت تک مقابلہ کیا، جب اس کی ٹانگیں کانپ رہیں تھیں، تو میں نے سوچا کہ ایسا کیوں ہے؟ اس نے اگلی دو ٹانگیں میرے سینہ پر رکھدیں۔ اور اس طرح ہم نے پوری رات گزاردی، حالانکہ رات میں سردی بڑھ گئی تھی، صبح ہوتے ہوتے وہ مرچکا تھا، میں نے اسے خود سے لپٹایا۔ اب میں گھر بھی نہیں جاسکتا کیونکہ وہ گلنا اور سڑنا شروع ہو گیا ہے اور اس میں سے بدبو آنے

گئی ہے۔

بادشاہ : تم اسے پھینک کیوں نہیں دیتے۔

فقیر : اس سے تمہیں کیا۔ تمہارا سینہ اتنا ہی خالی معلوم ہوتا ہے جیسے کہ تلی کا سوراخ اور تم بڑے بیوقوفانہ سوالات پوچھ رہے ہو۔ جس کو دیکھو ایسے ہی احمقانہ سوالات کرتا ہے' آخر یہ سب سوالات کیوں؟

بادشاہ : اس کے باوجود میں تم سے ایک سوال اور کروں گا۔ تمہیں کھانا کون دیتا ہے؟ کیونکہ اگر تمہیں کوئی کھانا نہیں دیتا تو تم اس سے جگہ چلے جاتے۔ یہاں لاشوں کو سڑنے کی اجازت نہیں' اور نہ ہی اس بات کی اجازت ہے کہ کوئی شور مچائے۔

فقیر : کیا میں چیخ رہا ہوں؟

بادشاہ : دیکھا ! اب تم خود سوال پوچھ رہے ہو' اگرچہ اس میں طنز چھپا ہوا ہے' اور اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

فقیر : مجھے معلوم نہیں' مگر یہ میرا معاملہ ہے۔

بادشاہ : میں تمہیں نہیں سن رہا ہوں' مگر مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے لئے کھانا کون لاتا ہے؟

فقیر : یہاں کبھی کبھی ایک لڑکا آتا ہے' جس کا باپ کوئی فرشتہ ہے اور اس کی ماں کھیتوں سے آلو چنتی ہے۔

بادشاہ : کیا تمہارے کوئی لڑکے نہیں ہیں؟

فقیر : وہ سب کے سب چلے گئے۔

بادشاہ : شہنشاہ تلی کی فوج کی طرح کہ جو سب کے سب ریت میں دفن ہو گئے۔

فقیر : جب اس نے ریگستان میں مارچ شروع کیا تو اس کے آدمیوں نے اس سے کہا : یہ سفر بڑا دشوار ہے' بہتر ہے کہ واپس ہو جائیں۔ مگر اس نے ہر دفعہ یہی جواب دیا : کہ اس ملک کو ضرور فتح کرنا چاہئے۔ چنانچہ وہ ہر روز مارچ کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے جوتے پھٹ گئے اور کھال سکڑ کر ان کی ہڈیوں پر چپک کر رہ گئی' مگر وہ گھٹنوں کے بل چلتے رہے' یہاں تک

لیا اور وہ مر گیا۔ ایک دن وہ نخلستان تک جا پہنچے اور کہنے لگے کہ ہمارے گھر بھی ایسے ہی ہیں۔ پھر شہنشاہ کا چھوٹا لڑکا حوض میں گرا اور ڈوب گیا۔ سات دن تک انہوں نے اس کا ماتم کیا' ان کا رنج نہ ختم ہونے والا تھا۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ ان کے گھوڑے مرنا شروع ہو گئے ہیں۔ ایک دن ان کی عورتیں اس قابل نہ رہیں کہ وہ ایک قدم بھی اٹھا سکیں۔ آخر ایک دن ہوا چلی اور ریت نے ان سب کو اپنی آغوش میں چھپا لیا' اور پھر اس کے بعد بالکل خاموشی ہو گئی' وہ ملک ان کا تھا' مگر میں اس کا نام بھول رہا ہوں'

بادشاہ : یہ سب کچھ تم نے کہاں سے سنا ہے؟ یہ سب کچھ غلط ہے۔ واقعات اس سے بالکل مختلف ہیں۔

فقیر : اگر وہ اس قدر طاقت ور ہو جائے کہ میں اس کے سامنے بچہ کی طرح کمزور ہو جاؤں' تو میں رینگتا ہوا دور چلا جاؤں گا مگر اسے خود پر حکومت نہیں کرنے دوں گا۔

بادشاہ : یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟

فقیر : بادل آ رہے ہیں۔ آدھی رات میں ستارے چمکنے لگیں گے اور پھر خاموشی ہو جائے گی۔

بادشاہ : کیا بادل شور مچاتے ہیں؟

فقیر : کچھ ان گندی جھونپڑیوں میں مر گئے جو کہ دریا کے کنارے پر تھیں' پچھلے ہفتہ دریا چڑھ آیا اور انہیں بھاگنے کا موقع بھی نہ ملا۔

بادشاہ : تمہیں بہت کچھ معلوم ہے۔ کیا تم کبھی سوتے بھی ہو؟

فقیر : جب میں پتھروں پر لیٹتا ہوں تو پیدا ہونے والا بچہ رونے لگتا ہے۔ اور ہوا دوبارہ جلنا شروع ہو جاتی ہے۔

بادشاہ : پچھلی رات کو ستارے چمک رہے تھے' نہ تو کوئی دریا کے کنارے مرا

فقیر: اس کا مطلب ہے کہ تم اندھے بہرے اور جاہل ہو' یا.... (وقفہ)

بادشاہ: تم کیا کرتے ہو؟ میں نے تمہیں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا' تم کہاں رہتے ہو؟

فقیر: میں نے آج دیکھا کہ اس سال گندم کی کاشت بہت کم ہوئی ہے' کیونکہ اس سال بارشیں نہیں ہوئیں۔ اور کھیتوں سے کالی آندھیاں چلتی آرہی ہیں۔

بادشاہ: یہ سچ ہے کہ اس سال گندم کی فصل خراب ہوئی ہے۔

فقیر: آج سے 38 سال پہلے بھی یہی ہوا تھا' گندم سورج کی گرمی سے مرجھا گئی تھی' اور پھر اس کے بعد وہ ختم ہو گئی۔ اس کے بعد زبردست بارشیں شروع ہوئیں اور چوہے نمودار ہوئے کہ جنہوں نے دوسری فصلوں کو خراب کر دیا' پھر وہ گاؤں میں گئے اور لوگوں کو کترنے لگے۔

بادشاہ: مگر مجھے اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں۔ میرا خیال ہے پچھلی باتوں کی طرح یہ بھی تم نے گھڑی ہیں' کیونکہ تاریخ" اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہتی۔

فقیر: کوئی تاریخ نہیں ہوتی۔

بادشاہ: اور سکندر اعظم؟ اور سیزر؟ اور نپولین؟

فقیر: کہانیاں ہیں۔ یہ نپولین کون تھا کہ جس کے بارے میں تم نے کچھ کہا ہے؟

بادشاہ: یہ وہ شخص تھا کہ جس نے آدھی دنیا کو فتح کر لیا تھا' اور جو اپنے غرور کی وجہ سے ختم ہوا۔

فقیر: صرف اس پر یقین کر سکتے ہیں۔ وہ خود اور دنیا۔ مگر یہ سچ نہیں ہے' درحقیقت نپولین نامی شخص جہاز میں چپو چلانے پر مامور تھا اور وہ ایک بیوقوف شخص تھا۔ اس سے ہر شخص کہتا تھا کہ : ہم اس تنگ جگہ میں چپو نہیں چلا سکتے ہیں۔ اور جب جہاز ڈوبا کیونکہ انہوں نے چپو چلانے چھوڑ دئے' تو اس نے اپنے سر میں ہوا بھری اور اکیلا ہی زندہ بچا کیونکہ وہ زنجیر سے بندھا ہوا تھا اس لئے مجبورا" اسے چپو چلاتے رہنا پڑا' اگرچہ جہاز کے نچلے حصہ میں رہنے کی وجہ سے اسے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ کس طرف

جا رہا ہے' بالآخر تمام لوگ ڈوب گئے۔ تب اس نے دنیا کے سامنے اپنے سر کو ہلایا' کیونکہ اس کا سر بہت بھاری تھا اس لئے وہ گر گیا۔

بادشاہ : مگر میں نے اس قسم کی احمقانہ باتیں اس سے پہلے کبھی نہیں سنیں۔ تم نے یہ کہانی سنا کر مجھے بڑا مایوس کیا ہے۔ کم از کم دوسری کہانیاں تم نے بہتر طریقے سے سنائیں تھیں۔ چلو ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم بادشاہ کے بارے میں کیا سوچتے ہو؟

فقیر : مگر یہاں تو کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کوئی بادشاہ ہے' اور صرف ایک شخص کو یہ خیال ہے کہ وہ بادشاہ ہے۔ اور جب بہت سارے جنگی رتھ تیار ہو جاتے ہیں' اور جنگی نقارہ بجانے والا' نقارہ بجانا سیکھ لیتا ہے تو پھر جنگ کی تیاری ہوتی ہے اور کسی دشمن کو ڈھونڈا جاتا ہے۔

بادشاہ : مگر بادشاہ نے اپنے دشمن کو شکست دیدی ہے۔

فقیر : اس نے اسے شکست نہیں دی اسے قتل کیا ہے' ایک احمق نے دوسرے احمق کو مار ڈالا ہے۔

بادشاہ : (تکلیف سے) مگر وہ بڑا طاقت ور دشمن تھا' تم میری بات کا یقین کرو۔

فقیر : ایک آدمی نے میرے چاولوں میں پتھر ڈالدئے' وہ میرا دشمن ہے' اسے اپنے ہاتھوں کی طاقت پر فخر تھا' مگر وہ سرطان کے مرض میں مر گیا اور جب وہ اس کے تابوت کو بند کر رہے تھے تو اس کا ڈھکنا اس کے ہاتھ پر آگرا' کسی نے اس کو دیکھا نہیں' مگر جب وہ اس کو لے کر چلے تو اس کا سرد اور خالی مردہ ہاتھ باہر لٹکا ہوا تھا۔

بادشاہ : کیا تم اس طرح یہاں پڑے پڑے بور تو نہیں ہو جاتے ہو؟

فقیر : کچھ دیر سے آسمان پر بادل اس طرح سے تیر رہے تھے کہ شاید یہ کبھی ختم نہ ہوں' میں انہیں دیکھتا ہوں' اور وہ کبھی رکتے نہیں ہیں۔

بادشاہ : مگر آسمان پر تو کوئی بادل نہیں' تم ہذیانی کیفیت میں ہو' آسمان پر صاف سورج چمک رہا ہے'

فقیر: مگر کوئی سورج تو نہیں ہے۔

بادشاہ : میرا خیال ہے کہ تم خطرناک پاگل اور مخبوط الحواس شخص ہو۔

فقیر : وہ ایک اچھا کتا تھا۔ کوئی معمولی کتا نہیں۔ وہ اس قابل تھا کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا۔ وہ میرے لئے گوشت لایا کرتا تھا۔ اور رات کو میرے ساتھ چیتھڑوں میں لپٹ کر سو جاتا تھا۔ ایک رات شہر میں بڑا ہنگامہ ہوا' شہر میں ہر کوئی میرا مخالف ہے کیونکہ میں نے کسی کو کچھ دیا نہیں' اس روز سپاہی مارچ کرتے ہوئے آئے مگر میرے کتے نے انہیں بھگا دیا۔

بادشاہ : تم یہ سب کچھ مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو۔

فقیر : کیونکہ میرا خیال ہے کہ تم ایک احمق شخص ہو۔

بادشاہ : تم میرے بارے میں اور کیا سوچتے ہو۔

فقیر : تمہاری آواز کمزور ہے اس کا مطلب ہے کہ تم ایک ڈرپوک شخص ہو۔ تم بہت سوال پوچھتے ہو' اس لئے تم خوشدلی ہو' تم نے کوشش کی کہ مجھے دھوکہ سے پھنساؤ' اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم میں اعتماد کی کمی ہے' تم نے میری کسی بات پر یقین نہیں کیا' مگر پھر بھی میری باتیں سنیں' لہٰذا تم ایک کمزور آدمی ہو' اور تمہارا خیال ہے کہ ساری دنیا تمہارے گرد گھومتی ہے' جب کہ اس دنیا میں اور بھی اہم لوگ ہیں' مثال کے طور پر میں خود۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم اندھے' بہرے' اور جاہل ہو' اور مجھے اب تک تمہاری دوسری برائیوں کے بارے میں پتہ نہیں چلا ہے۔

بادشاہ : یہ تو بڑا خراب نظر آتا ہے۔ کیا تم مجھ میں کوئی نیکی نہیں دیکھ سکتے؟

فقیر : تم آہستہ سے بولتے ہو' اس لئے تم میں خاکساری ہے' تم بہت سوال پوچھتے ہو' اس لئے تم میں جاننے کا شوق ہے' تم ہر چیز کو پرکھتے ہو' اس لئے تم تشکیک پرست ہو' تم جھوٹی باتیں بھی سن لیتے ہو' اس لئے تم مہربان و شفیق ہو' تمہارا خیال ہے کہ ہر چیز تمہارے گرد گھومتی ہے اس لئے تم بھی ان لوگوں کی طرح جو اس پر یقین رکھتے ہیں۔ ان سے زیادہ نہ تو احمق ہو اور نہ بدتر' اور تم اپنے خیالات کی وجہ سے زیادہ کنفیوز نہیں ہو۔ جس سے تمہارا کوئی تعلق نہ ہو اس سلسلہ میں پریشان ہونے کی

ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی علم کو اپنے عمل کے راستہ میں رکاوٹ بناؤ۔

تمہیں اپنی دوسری اچھائیوں کے بارے میں مجھ سے زیادہ علم ہے۔

بادشاہ : تم ہوشیار شخص ہو۔

فقیر : تمام خوشامدیوں کو انعام ملنا چاہئے۔ مگر میں تمہیں اس وقت کچھ نہیں دوں گا۔

بادشاہ : مگر میں ان تمام خدمات کے عوض جو میرے سلسلہ میں کی جاتی ہیں، انعام دیتا ہوں۔

فقیر : مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم میں ایک عام آدمی کی روح ہے۔

بادشاہ : میرے دل میں کوئی برائی نہیں، کیا یہ بھی عام بات ہے؟

فقیر : ہاں، کیونکہ تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے۔

بادشاہ : میں تمہیں زمین دوز قید خانہ میں پھکوا دوں گا۔

فقیر : کیا وہاں ٹھنڈ ہو گی؟

بادشاہ : وہاں سورج داخل نہیں ہو سکتا ہے۔

فقیر : مگر سورج کہاں ہے؟ تمہاری یادداشت بڑی کمزور ہے۔

بادشاہ : میں تمہیں قتل کرا سکتا ہوں۔

فقیر : پھر میرے سر پر بارش نہیں ہو گی۔ میرے کیڑے بھاگ جائیں گے، میرا پیٹ پرسکون ہو جائے گا، اور مجھے وہ سکون ملے گا کہ جس کی میں خواہش کرتا ہوں۔

(ایک شخص بھاگتا ہوا آتا ہے اور آہستہ سے بادشاہ کے کچھ کہتا ہے)

بادشاہ : ان سے کہو کہ میں ابھی آتا ہوں (وہ شخص باہر چلا جاتا ہے) میں تمہارے ساتھ ان میں سے کوئی بات نہیں کروں گا، مگر میں یہ ضرور سوچوں گا کہ آخر تمہارے ساتھ کیا کیا جائے؟

فقیر : ایسا کسی اور سے مت کہنا۔ تمہارے اعمال کو دیکھ کر نتائج نکالے جائیں گے۔

بادشاہ : مجھے یقین نہیں کہ لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔

فقیر : میرے سامنے سب لوگ جھکتے ہیں' مگر میں اس وجہ سے مغرور نہیں ہوں۔ جو چیز مجھے غصہ دلاتی ہے وہ ان کا بولنا اور سوالات کرنا ہے۔

بادشاہ : کیا میں نے تمہیں پریشان کیا ہے؟

فقیر : یہ سب سے بیوقوفانہ سوال ہے جو تم نے پوچھا ہے۔ تم ایک بے شرم شخص ہو' تمہیں کسی شخص کے ذاتی حقوق کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تمہیں تنہائی کا کوئی احساس نہیں' اس لئے تم مجھ ایک اجنبی سے ہر چیز کی تصدیق کرانا چاہتے ہو۔

بادشاہ : میں لوگوں پر حکومت کرتا ہوں' اس لئے لوگ میری عزت کرتے ہیں۔

فقیر : باگ کا بھی خیال ہے کہ وہ گھوڑے پر حکومت کرتی ہے۔ ابابیل کی چونچ کو یہ خیال ہے کہ وہی اس کو راستہ دکھاتی ہے' درخت کی پھنگی کو یہ یقین ہے کہ وہ درخت کو آسمان کی جانب لے جا رہی ہے۔

بادشاہ : تم ایک بدمعاش شخص ہو' میں تمہیں نیست و نابود کرا دیتا مگر یہ سوچ کر رک جاتا ہوں کہ میں ایسا کروں تو اپنی ذات کی وجہ سے کروں گا۔

(فقیر اپنا باجہ نکالتا ہے اور اسے بجاتا ہے۔ ایک آدمی اس کے سامنے سے جھکتا ہوا جلدی سے گذر جاتا ہے)

فقیر : (اپنے باجے کو رکھتے ہوئے) اس آدمی کی بیوی اس کے مال کو چراتی ہے۔ رات کو وہ اس پر جھکتی ہے تاکہ اس کے پیسے چوری کرے۔ کبھی وہ جاگ جاتا ہے اور اسے اپنے پر جھکا دیکھ کر سوچتا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے' اتنی محبت کہ اس سے ضبط نہیں ہوتا چونکہ رات کو وہ اسے اٹھ کر دیکھتی ہے۔ اس لئے وہ ان چھوٹے فریبوں کو معاف کر دیتا ہے کہ جو وہ جان لیتا ہے۔

بادشاہ : تم پھر سے شروع ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ اس میں ذرا برابر بھی صداقت نہیں ہے۔

فقیر: اب تم جا سکتے ہو' کیونکہ اب تم گھٹیا پن کی حرکتیں کرنے لگے ہو۔

بادشاہ: یہ سب کیا ہے' ناقابل یقین۔
(فقیر اپنا باجہ بجاتا ہے)

فقیر: سب دیکھ سکتے ہیں کہ آسمان بہت زیادہ خوبصورت اور زمین زیادہ پیداواری ہے اور اس کی وجہ سے یہ موسیقی ہے' اس کی وجہ سے لوگوں کی عمریں بڑھیں گی اور وہ اپنے ہمسایوں کو معاف کر دیں گے۔

بادشاہ: مجھے بتاؤ تو سہی آخر تمہیں میری صورت کیوں بری لگتی ہے' اور تم نے آخر مجھے کیوں اس قدر برا بھلا کہا۔

فقیر: کیونکہ تم مجھے کوئی زیادہ مغرور نظر نہیں آئے کہ میری بات سننے سے انکار کر دو' اور میں باتیں اس لئے کرنا چاہتا تھا تاکہ میں اپنے مرے ہوئے کتے کو بھول جاؤں۔

بادشاہ: اچھا' میں جارہا ہوں۔ تم نے میری زندگی کے سب سے خوبصورت دن کو تباہ کر دیا' مجھے دراصل رکنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ ہمدردی سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے' تمہاری ایک خصوصیت ہے' ہمت' کہ جس کی وجہ سے تم نے مجھ سے باتیں کیں (وہ چلا جاتا ہے' سپاہی اسے گھیرے میں لے لیتے ہیں گھنٹیاں دوبارہ سے بجنا شروع ہو جاتی ہیں)

فقیر: (اب پتہ چلتا ہے کہ وہ اندھا ہے) وہ آخرکار چلا گیا۔ میرا خیال ہے کہ صبح کا وقت ہے کیونکہ گرمی بہت ہے۔ میرا خیال ہے کہ لڑکا آج نہیں آئے گا۔ شہر میں آج کوئی تقریب ہے' اور یہ احمق بھی وہیں جا رہا ہو گا۔ اب میں اپنے کتے کے بارے میں پھر سے سوچنا شروع کر دوں گا۔

فن اور سیاست

میں تمہارا سوال خوب سمجھتا ہوں تمہارا خیال ہے کہ میں یہاں بیٹھا ہوا کھاڑی کے اس پار دیکھ رہا ہوں کہ جہاں جنگ کا کوئی اثر نہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر میں اسپین کے ان جنرلوں کے خلاف کس طرح سے لڑوں کہ جنہوں نے اپنے عوام کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے! لیکن ذرا غور تو کرو کہ آخر میں یہاں کیوں بیٹھا ہوا ہوں؟ میں کس طرح سے ان خیالات سے چھٹکارا پا سکتا ہوں کہ جن سے میری پوری زندگی بری طرح متاثر ہوئی ہے؟ اور میں آخر لکھنے سے کیسے باز رکھ سکتا ہوں! میری حیثیت تو دیکھو۔ میں ایک جلا وطن کی حیثیت سے بیٹھا ہوا ہوں کہ جس سے اس سے پڑھنے اور سننے والوں کو چھین لیا گیا ہو میں صرف لوگوں تک اپنی شاعری ہی نہیں پہونچاتا ہوں' بلکہ ان لوگوں کے لئے میرے دل کی گہرائی میں محبت کے جذبات ہیں' اس لئے میں انہیں لوگوں کے لئے لکھ سکتا ہوں کہ جن سے مجھے محبت ہو۔

اور اس وقت جب کہ یہ لوگ جن سے میں محبت کرتا ہوں' ناقابل بیان اذیتوں میں مبتلا ہیں تو میں آخر کس طرح سے اپنی تحریر کو کو روک سکتا ہوں! میں یہاں بیٹھا ہوا دور تک دیکھتا ہوں کہ جہاں کھاڑی ختم ہو گئی ہے' تو میں ان لوگوں کو بھی دیکھتا ہوں کہ جو دکھوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہیں۔ جب انسانیت ختم ہو جائے تو پھر فن بھی باقی نہیں رہتا۔ صرف خوبصورت الفاظ کو جمع کر دینا ہی فن نہیں ہوتا۔ جب تک ادیب لوگوں کی تقدیر سے متاثر نہ ہو اس وقت تک وہ کس طرح سے اپنے فن کے ذریعے لوگوں کو حرکت میں لا سکتا ہے! اگر میں لوگوں کے دکھوں پر سخت دل ہو جاؤں' تو میں کس طرح اپنی تحریر میں اپنے دل کی گرمی کو سمو سکوں گا' اور اگر میں اپنی تحریر کے ذریعہ ان کے دکھوں کا کوئی راستہ نہیں نکالوں' تو وہ کس طرح میری تحریروں سے کوئی راہ دریافت کریں گے۔

اس چھوٹے سے ڈرامے میں جس کے بارے میں ہم نے تبادلہ خیالات کیا ہے اس

میں اندلس کی ایک مچھلی فروخت کرنے والی عورت کی کہانی ہے کہ جو فوجی جنرلوں کے خلاف لڑی۔ اس میں میں نے اس بات کو دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس کے لئے جنگ لڑنے کا فیصلہ کرنا کس قدر دشوار تھا۔ لیکن اس نے اپنی غیر معمولی تکالیف کی وجہ سے بندوق اٹھائی۔ یہ کچلے ہوئے لوگوں کے لئے ایک اپیل ہے کہ وہ استحصال کی طاقتوں کے خلاف انسانیت کے نام پر اٹھ کھڑے ہوں اور جہاں بھی لوگ انسانیت کے لئے ان حالات میں لڑتے ہیں۔ وہاں وہ کبھی زنگ آلود نہیں ہوئے۔ میں نے ایک خط اس مچھلی فروخت کرنے والی عورت کے نام لکھا ہے کہ تمام جرمن بولنے والے لوگ ان میں سے نہیں کہ جنھوں نے اس کے ملک میں جنرلوں، ٹینکوں اور بموں کو بھیجا ہے، اور میں یہ خط ان تمام جرمنوں کی جانب سے لکھ رہا ہوں جو جرمن سرحد کے باہر اور اندر ہیں۔ اور جو کہ میرے خیالات سے متفق ہیں۔

فروری 1937ء

عورت اور بندوق

ٹریسا کاررار	ماہی گیر عورت
ہوزے	چھوٹا بیٹا
پیڈرو	مزدور (ٹریسا کا بھائی)
زخمی	

مانسوئیلا

پادری

بوڑھی عورت مسز پیرے

دو ماہی گیر

عورتیں

بچے

اندلس کے ایک ماہی گیر کے مکان میں اپریل 1937ء کی ایک رات کمرے کے ایک صاف کونے میں سیاہ رنگ کی صلیب رکھی ہے چالیس سالہ عورت ٹریسا روٹی پکانے میں مصروف ہے' اس کا لڑکا ہوزے کھڑکی کے قریب بیٹھ ہوا جال صاف کر رہا ہے۔

دور سے توپوں کی آواز سنائی دے رہے ہے۔

ماں : کیا تو' یان کی کشتی دیکھ رہا ہے۔

نوجوان : ہاں۔

ماں : کیا اس کا لمپ اب تک جل رہا ہے؟

نوجوان : ہاں۔

ماں : کیا اور کشتی تو وہاں نہیں ہے؟

نوجوان : نہیں۔

ماں : تعجب ہے اور کیوں کوئی باہر نہیں گیا؟

نوجوان : تجھے پتہ تو ہے۔

ماں : (جذبات پر قابو پاتے ہوئے) جب میں سوال کرتی ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ مجھے کچھ پتہ نہیں۔

نوجوان : سوائے یان کے آج اور کوئی باہر نہیں گیا' کیوں کہ مچھلی پکڑنے کے علاوہ اور دوسرے بہت کام ہیں۔

ماں : اچھا!

وقفہ

نوجوان : اور یان کو بھی آج نہیں جانا چاہئے تھا۔

ماں : وہ کسی چکر میں پڑا ہوا نہیں ہے۔

نوجوان : (جال کو زور سے جھٹکا دیتے ہوئے) نہیں!

ماں نے روٹی کو تندور میں رکھا' ہاتھ صاف کئے اور مچھلی کے جال کو اٹھا کر اس کی مرمت کرنے لگی۔

نوجوان : مجھے بھوک لگی ہے۔

ماں : کیا تو اس بات کے خلاف ہے کہ تیرا بھائی مچھلیاں پکڑے؟

نوجوان : ہاں' کیونکہ مچھلیاں تو میں بھی پکڑ سکتا ہوں' یان کی جگہ محاذ ہے۔

ماں : میرا خیال ہے کہ تو بھی وہاں جانا چاہتا ہے۔

وقفہ

نوجوان : پتہ نہیں کھانے پینے کا سامان انگستان کی رکاوٹوں کے باعث آتا ہے یا نہیں؟

ماں : بہرحال' اس روٹی کے بعد پکانے کو میرے پاس آٹا بالکل نہیں۔

نوجوان کھڑکی بند کر دیتا ہے۔

ماں : کھڑکی کیوں بند کر دی!

نوجوان : نو بجنے والے ہیں۔

ماں : پھر۔

نوجوان : نو بجے ریڈیو سے وہ کم بخت بولے گا' اور پیریز کے گھر والے ریڈیو کھولیں گے۔

ماں : (تلخی سے) کھڑکی کھول دے' کھڑکی بند ہونے سے اندر کی روشنی شیشوں پر پڑے گی اور ہم باہر صاف نہیں دیکھ سکیں گے۔

نوجوان : آخر میں یہاں بیٹھا ہوا اس کی نگرانی کیوں کروں ! وہ تجھ سے بھاگ کر نہیں جائے گا' تجھے بلاوجہ کا ڈر ہے کہ وہ محاذ پر چلا جائے گا۔

ماں : بیوقوف مت بن' کیا یہ افسوس کی بات نہیں کہ مجھے تم دونوں کی نگرانی کرنی پڑ رہی ہے۔

نوجوان : "دونوں سے" کیا مطلب ہے؟

ماں : تو اپنے بھائی کے مقابلہ میں کوئی شریف نہیں' بلکہ بدترین ہے۔

نوجوان : وہ صرف ہماری وجہ سے ریڈیو کھولتے ہیں۔ آج تیسری شام ہے' میں نے کل اچھی طرح سے دیکھا تھا کہ انھوں نے اپنی کھڑکی پوری کھول دی تھی تاکہ ہم ریڈیو کی آواز سن سکیں۔

ماں : اس تقریر میں کوئی خاص بات نہیں تھی' سوائے اس کے کہ وہ ویلنیا پر قبضہ کر چکے ہیں۔

نوجوان : تو یہ کیوں نہیں کہہ دیتی کہ وہ اچھے ہیں۔

ماں : تو جانتا ہے کہ میں انہیں اچھا نہیں سمجھتی' آخر کیوں میں ان جنرلوں کی حمایت کروں؟ میں خون خرابے کے سخت خلاف ہوں۔

نوجوان : اس کی ابتداء کس نے کی! شاید ہم نے!

ماں خاموش ہو جاتی ہے' نوجوان دوبارہ سے کھڑکی کھول دیتا ہے دور سے ریڈیو کی آواز سنائی دیتی ہے "ہوشیار' خبردار' عالی جناب محترم جنرل ابھی پووالانو بولنے والے ہیں" اس کے بعد جنرل کی تیز آواز سنائی دیتی ہے' جو کہ شام کے خطاب میں اسپین کے عوام سے مخاطب ہے۔

جنرل کی آواز : ہم آپ سے خلوص کے ساتھ کچھ کہنا چاہیں گے' اور یہ

باتیں ہم آپ سے میڈرڈ میں کہنا پسند کریں گے۔ ہماری مضبوط دیواریں ہر حملہ کو برداشت کریں گی۔

نوجوان : بد معاش'

جنرل کی آواز : کوئی طاقت ہماری پیش قدمی کو نہیں روک سکتی' ہم کمینہ لوگوں کو تباہ کر دیں گے اور اس شہر پر قبضہ کر لیں گے کہ جہاں ہمارے خلاف سازشیں ہوتی ہیں' ہم تمام گھٹیا لوگوں کو اس دنیا سے مٹا دیں گے۔

نوجوان : اس کا مطلب ہے کہ "ہم"

ماں : ہم باغی نہیں ہیں' تو اور تیرا بھائی دونوں فطرتاً" حساس ہو اور یہ تمہیں اپنے باپ سے ورثہ میں ملی ہے' اور اگر تم ایسے نہیں ہوتے تو مجھے اچھے بھی نہیں لگتے' کیا تو ان توپوں کی آواز نہیں سن رہا ہے ہم غریب لوگ ہیں' اور غریب لوگ جنگ نہیں لڑ سکتے!

(کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ پیڈرو' جو ایک مزدور ہے' اندر آتا ہے۔ یہ ثریا کا بھائی ہے۔ اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ لمبا راستہ چل کر آیا ہے۔)

مزدور : آداب عرض۔

نوجوان : پیڈرو ماموں'

ماں : پیڈرو' تمہارا یہاں آنا کیسے ہوا! (وہ اس سے ہاتھ ملاتی ہے)

نوجوان : پیڈرو ماموں' کیا تم موٹرل سے آرہے ہو' وہاں کے کیا حال ہیں؟

مزدور : کوئی زیادہ اچھے نہیں' اور تمہارے کیا حال ہیں؟

ماں : (جھجکتے ہوئے) اچھے ہیں۔

نوجوان : کیا تم آج وہیں سے آرہے ہو!

مزدور : ہاں۔

نوجوان : آنے میں پورے چار گھنٹے لگے ہوں گے۔

مزدور : زیادہ ہی لگے' راستے میں بھاگنے والوں کا جم غفیر ہے' تمام لوگ المیرا

نوجوان : کیا موٹر والوں نے خوب مقابلہ کیا!

مزدور : آج کا تو مجھے پتہ نہیں، لیکن کل تک ہم نے سخت مقابلہ کیا تھا۔

نوجوان : مگر تم وہاں سے کیوں چلے آئے!

مزدور : ہماری ضرورت محاذ پر زیادہ ہے، جاتے ہوئے میں نے سوچا کہ ایک بار تم لوگوں کو دیکھتا چلوں۔

ماں : کیا تم چند گھونٹ شراب پینا پسند کرو گے! (شراب لاتی ہے) اور روٹی بھی آدھے گھنٹے میں تیار ہو جائے گی۔

مزدور : یان کہا ہے!

نوجوان : مچھلیاں پکڑنے گیا ہے۔

مزدور : واقعی۔

نوجوان : تم اس کی کشتی کے لیپ کی روشنی یہاں سے دیکھ سکتے ہو۔

ماں : آخر کار ہمیں زندہ بھی تو رہنا ہے۔

مزدور : یقیناً! جب میں ادھر آرہا تھا تو میں نے ریڈیو سے جنرل کی آواز سنی تھی یہ تقریر کون سنتا ہے!

نوجوان : ہمارے سامنے پیریز کا خاندان رہتا ہے، وہ سنتے ہیں؟

مزدور : کیا ریڈیو سے وہ ہمیشہ اس قسم کی چیزیں سنتے ہیں؟

نوجوان : نہیں، وہ فرانکو کے آدمی نہیں، وہ خود سننے کے لئے نہیں کھولتے تم میرا مطلب سمجھتے ہو نا!

مزدور : اچھا! سمجھا!

ماں : (نوجوان سے) کیا تو اپنے بھائی کو دیکھ رہا ہے!

نوجوان : (مرضی کے خلاف کھڑکی کی طرف جاتے ہوئے) مطمئن رہو، وہ کشتی سے بھاگ کر کہیں نہیں جائے گا۔

(مزدور شراب کا گلاس اٹھاتا ہے اور بہن کے ساتھ بیٹھ کر جال کی مرمت میں اس کی مدد کرتا ہے۔)

مزدور : یاں کی عمر کیا ہو گی۔

ماں : ستمبر میں 21 سال کا ہو جائے گا۔

مزدور : اور ہوزے !

ماں : کیا تیرے یہاں آنے کا کوئی خاص مقصد ہے !

مزدور : نہیں، کوئی خاص تو نہیں۔

ماں : ویسے تو کافی عرصہ بعد آیا ہے۔

مزدور : ہاں، دو سال بعد۔

ماں : روزا کے کیا حال ہیں؟

مزدور : گٹھیا کے مرض میں مبتلا ہے۔

ماں : میرا دل چاہتا ہے کہ وہ ایک بار ہم سے مل لے۔

مزدور : روزا کو کارلوس کی موت کا شدید غم ہے۔

(ماں خاموش ہو جاتی ہے)

مزدور : تمہیں کم از کم اس کی اطلاع تو دینی چاہئے تھی، ہم تمہارے شوہر کی تدفین میں شرکت کرنے ضرور آتے۔

ماں : سب کچھ اچانک ہوا۔

مزدور : آخر ہوا کیسے؟

(ماں خاموش ہو جاتی ہے)

نوجوان : گولی اس کے پھیپھڑوں میں لگی تھی۔

مزدور : (تعجب سے) کیسے؟

ماں : کیسے ! اس کا مطلب کیا ہے؟

مزدور : لیکن یہاں تو دو سال سے خاموشی ہے۔

نوجوان : مگر اویڈو میں تو بغاوت ہوئی تھی۔

مزدور : کارلوس اویڈو کیسے چلا گیا؟

ماں : وہ چلا گیا تھا۔

مزدور : یہاں سے۔

نوجوان: ہاں، جب اس نے بغاوت کی خبر اخبار میں پڑھی۔

ماں : (تلخی سے) کچھ لوگ امریکہ جاتے ہیں اور اپنے حالات درست کرتے ہیں، کچھ لوگ حماقتیں کرتے ہیں۔

نوجوان: (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) کیا تو یہ کہنا چاہتی ہے کہ میرا باپ بیوقوف تھا۔

(وہ لرزتے ہاتھوں سے جال رکھ دیتی ہے اور خاموشی سے باہر چلی جاتی ہے)

مزدور : اس کے لئے یہ بڑا صدمہ ہے۔

نوجوان : ہاں۔

مزدور : کیا اس کو اس کا غم ہے کہ یہ اپنے شوہر کو آخری بار بھی نہیں دیکھ سکی؟

نوجوان : نہیں اس نے اسے آخری بار دیکھا تھا، وہ واپس آگیا تھا۔ وہ مشکل سے گرتا پڑتا ریل میں سوار ہو کر آیا، اس کے سینہ پر قمیص کے نیچے پٹی بندھی ہوئی تھی، وہ اسٹیشن پر اترتے ہی گر کر مرگیا۔ یہاں گھر پر اچانک شام کو دروازہ کھلا اور ہماری ہمسایہ عورتیں آئیں اور اس کو ایسے لایا گیا جیسے کسی مدہوش شرابی کو، پھر تختہ لایا گیا اور اسے اس پر لٹا دیا گیا۔

مزدور : کیا وہ اب تک یکی مذہبی ہے!

نوجوان : (سر ہلاتا ہے) اس کا خیال ہے کہ یہ ضروری ہے، ورنہ ہمسایہ اس کے بارے میں باتیں بنائیں گے۔

مزدور : اس کے شوہر کے بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں!

نوجوان : یہ کہ اس نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا تھا۔

مزدور : کیا اس نے دیا تھا؟

(نوجوان کندھے ہلاتا ہے، وہ روٹی کو دیکھتا ہے، اور پھر جال کے قریب بیٹھ جاتا ہے۔)

ماں : (واپس آتی ہے اور مزدور سے مخاطب ہوتی ہے کہ جو جال کی مرمت کرنے میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہے) اسے چھوڑ، تو اطمینان سے شراب پی

اور آرام کر' تو مجھے تھکا معلوم ہوتا ہے۔

(مزدور شراب کا گلاس اٹھاتا ہے اور میز پر واپس چلا جاتا ہے۔)

ماں : (نوجوان سے) کیا اس نے تمہیں بتایا کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے؟

نوجوان : نہیں۔

(مزدور ہاتھ میں پانی کی بالٹی اور تولیہ لئے ہوئے آتا ہے۔ اور ہاتھ منہ دھوتا ہے)

ماں : کیا بوڑھے لوپے میاں بیوی زندہ ہیں۔

مزدور : صرف وہ زندہ ہے (نوجوان سے) کیا یہاں سے بہت لوگ محاذ پر گئے ہیں!

نوجوان : بہت سارے نہیں بھی گئے ہیں۔

مزدور : ہمارے ہاں سے کیتھولکوں کی کافی تعداد گئی ہے۔

نوجوان : یہاں سے بھی کچھ گئے ہیں۔

مزدور : کیا سب کے پاس بندوقیں ہیں؟

نوجوان : سب کے پاس نہیں۔

مزدور : یہ تو ٹھیک نہیں' بندوقیں تو بڑی ضروری ہیں' کیا گاؤں میں کسی کے پاس بندوقیں ہیں؟

ماں : (جلدی سے) نہیں۔

نوجوان : کچھ ایسے لوگ ضرور ہیں کہ جنہوں نے چھپا رکھی ہیں اور زمین میں اس طرح سے دفن کر رکھی ہیں کہ جیسے آلو۔

مزدور : اچھا۔

(نوجوان کھڑکی سے ہٹ کر جاتا ہے)

ماں : تو کہاں جا رہا ہے!

نوجوان : کہیں نہیں'

ماں : تو پھر کھڑکی کی طرف واپس جا۔

(نوجوان خاموش کھڑا رہتا ہے)

مزدور : کیا ہو گیا!
ماں : آخر تو کھڑکی سے دور کیوں جانا چاہتا ہے! جواب دے'
مزدور : کیا کوئی باہر ہے!
نوجوان : (آہستگی سے) نہیں۔
(دور سے توپوں کی آواز سنائی دیتی ہے)
بچوں کی آوازیں'
یان سپاہی نہیں ہے۔
کیونکہ اس میں ہمت نہیں ہے۔
یان بزدل ہے۔
وہ اپنا سر چادر میں چھپا لیتا ہے۔
تین بچوں کے سر کھڑکی میں نظر آتے ہیں۔
پہلا بچہ : یان (وہ بھاگ جاتا ہے)
ماں : (کھڑکی کی طرف جاتی ہے) اگر تم ہاتھ آگئے تو میں تمہیں مار مار کر ٹھیک کر دوں گی' بدمعاش' یہ پھر پیریز کے خاندان والے ہیں
وقفہ
مزدور : کیا تو اب تک لڑتی ہے؟
نوجوان : (ہنسے ہوئے) کیا تم بچپن میں لڑا کرتے تھے!
مزدور : میرے ساتھ تو ایسا ہوا ہے' بہرحال جنگ میں سب جائز ہے۔
(ماں اسے شبہ سے دیکھتی ہے۔)
نوجوان : مگر یہ بڑی خراب چیز ہے۔
مزدور : خوب! تو نے اچھا کیا کہ یہ مجھ سے کہا' اب میری سنو! میرے بیٹے بہادری اچھی چیز ہے اور تو بہادر تو ہے مگر ہوشیار نہیں۔
نوجوان : جب تک آدمی میں ہمت نہ ہو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔
ماں : اس قسم کی کہاوتیں اس نے اپنے باپ سے سیکھی ہیں۔ جسے ایک اچھے آدمی کو خطرہ تو مول لینا پڑتا ہی ہے۔

مزدور : ہا ! ڈون مسی گون نے ایک مرتبہ ستر کسانوں کے ساتھ جوا کھیلا اور ہار گیا۔ بقایا عمر اس نے صرف 12 خادموں کے سہارے گزار دی۔

نوجوان : میں بھی اس قسم کا جوا کھیلنا چاہتا ہوں' میرے لئے یہ آخری موقع ہے'

ماں : تمہارا باپ اس وقت کشتی سے چھلانگ لگا دیتا تھا کہ جب جال پھنس جاتا تھا۔

مزدور : شاید اس ک پاس زیادہ جال نہیں تھے۔

ماں : اس کے پاس زیادہ زندگیاں بھی نہیں تھیں۔

(دروازے پر یونیفارم میں ایک نوجوان آتا ہے۔ اس کا چہرہ زخمی ہے اور اس کا ہاتھ پٹی میں جھول رہا ہے)۔

ماں : پاؤلو اندر آجاؤ۔

زخمی : شاید آپ سوچتی ہوں کہ میں پٹی کی وجہ سے پھر دوبارہ آگیا۔

ماں : کوئی بات نہیں' یہ دوبارہ ہو جائے گی۔

(وہ اندر جاتی ہے)

مزدور : تمہارے زخم کہاں آئے!

زخمی : مانٹے مولووے میں۔

(ماں ایک قمیض لے کر آتی ہے' اس کو ٹکڑوں میں پھاڑتی ہے اور اس کی پٹی کرتی ہے)

ماں : تو نے آخر آج پھر کام کیا۔

زخمی : ہاں' صرف سیدھے ہاتھ سے۔

ماں : مگر تجھ سے کہا گیا ہے کہ تجھے کام کرنے کی اجازت نہیں۔

زخمی : مگر ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچا' لوگ کہتے ہیں کہ شاید آج سامنے آجائے۔

مزدور : (بے یقینی سے) میرا خیال ایسا نہیں' توپوں کی یہ گرج آج سب بدل دے گی۔

زخمی : ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔

ماں : کیا تجھے تکلیف ہو رہی ہے ! اگر ہو تو بتا دینا میں کوئی تجربہ کار نرس نہیں ویسے جتنا ہو سکے گا میں احتیاط کروں گی۔

نوجوان : کیا لوگ میڈرڈ سے آسکتے ہیں !

زخمی : کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

نوجوان : نہیں کچھ نہ کچھ تو کہا جا سکتا ہے۔

زخمی : اوہ' آپ نے تو پورا قمیص پھاڑ ڈالا ہے' آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

ماں : تیرا کیا خیال ہے' میں تیری پٹی کسی میلے کپڑے سے کرتی۔

زخمی : مگر آپ کے پاس اور فالتو قمیص بھی تو نہیں۔

ماں : جو میرے پاس ہے' وہ موجود ہے' مگر تیرے دوسرے بازو کے لئے یہ کافی نہیں۔

زخمی : (ہنستا ہے) دوسری مرتبہ اس کا خیال رکھوں گا (اٹھ کھڑا ہوتا ہے)۔ (مزدور سے) ان کتوں کو کامیاب نہیں ہونا چاہئے (جاتا ہے)

ماں : توپوں کی آواز'

نوجوان : اور ہم مچھلیاں پکڑ رہے ہیں۔

ماں : تجھے خوش ہونا چاہئے کہ اب تک تیرے ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوئے۔ باہر سے شور کی آواز آتی ہے۔ گاڑیوں کے گزرنے کا شور' اور گانوں کی آوازیں۔ مزدور اور نوجوان کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر باہر دیکھتے ہیں۔

مزدور : یہ انٹرنیشنل برگیڈ ہے۔ یہ موٹرل کی شکست کے بعد محاذ پر جا رہے ہیں۔ آواز آتی ہے۔ ابھی گھر بہت دور ہے۔

مزدور : یہ جرمن ہیں۔

(مارسیلز کے نغمہ کی آواز)

مزدور : یہ فرانسیسی ہیں۔

(پولش گیت)

مزدور : یہ پولینڈ کے ہیں۔
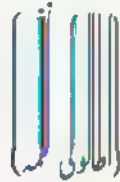
(اطالوی نغمہ)

مزدور : یہ اطالوی ہیں۔

(قلعہ کی حفاظت کرو)

مزدور : یہ امریکی ہیں۔

(اسپینی نغمہ)

مزدور : یہ ہمارے لوگ ہیں۔

(گاڑیوں کا شور نغموں سے مل جاتا ہے۔ مزدور اور نوجوان واپس آجاتے ہیں)

مزدور : آج رات کچھ نہ کچھ ہونا ہے' مجھے اب چلے جانا چاہئے' ہوزے۔ یہ آخری دستہ تھا۔

ماں : (میز پر آتے ہوئے) آخر کون جیتا۔

نوجوان : وہ

ماں : کیا میں تیرے لئے بستر کر دوں!

مزدور : نہیں' مجھے جانا چاہئے (مگر وہ بیٹھ رہتا ہے)

ماں : روزا کو میری طرف سے نیک تمنائیں' اسے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ آگے کیا ہو گا!

نوجوان : میں تمہارے لئے روٹی کا ٹکڑا لاتا ہوں۔

مزدور : اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

(ماں کھڑکی سے باہر دیکھتی ہے)

ماں : کیا اچھا ہوتا کہ تو یان سے مل لیتا۔

مزدور : چاہتا تو میں بھی ہوں' مگر وہ شاید جلدی واپس نہیں آئے۔

ماں : وہ زیادہ دور تک چلا گیا ہے۔ مگر ہم اسے بلا سکتے ہیں۔

(دروازے سے ایک نوجوان لڑکی کمرے میں آتی ہے)

نوجوان : آداب عرض' مانسوئیلا (مزدور سے آہستہ سے) یہ یان کی دوست

ہے۔ (لڑکی سے) یہ پیڈرو ماموں ہیں۔

لڑکی : ہمارا تو خیال تھا کہ آپ نے اسے کندر گارڈن گیند کھیلنے بھیج دیا ہے۔

ماں : نہیں وہ مچھلیاں پکڑنے گیا ہے' یان ایک ماہی گیر ہے۔

لڑکی : وہ اسکول میں ہونے والی میٹنگ میں کیوں نہیں آیا ! آخر وہ لوگ بھی تو ماہی گیر ہیں۔

ماں : وہاں نہ جا کر اس نے کچھ کھویا نہیں۔

نوجوان : کس قسم کی میٹنگ تھی !

لڑکی : اس میں فیصلہ ہوا ہے کہ جانے والے آج رات محاذ پر چلے جائیں یان نے مجھ سے آنے کا وعدہ کیا تھا۔

نوجوان : ایسا نہیں ہو سکتا' ورنہ یان کبھی مچھلیاں پکڑنے نہیں جاتا۔ ماں' کیا تم نے اسے مجبور کیا تھا۔

(ماں خاموش رہتی ہے اور تندور کے پاس سمٹ کر بیٹھ جاتی ہے)

نوجوان : اب مجھے پتہ چلا تو نے اسے کیوں مچھلیاں پکڑنے بھیجا؟

ماں : (سیدھی کھڑے ہو کر) خدا نے انسان کے لئے پیشے بنائے ہیں' میرا بیٹا ماہی گیر ہے۔

لڑکی : تمہاری وجہ سے پورے گاؤں میں ہماری ہنسی اڑی ہیں جہاں جاتی ہوں لوگ مجھ پر انگلیاں اٹھاتے ہیں' میں اب یان کا نام سنتے ہی بیزار ہو جاتی ہوں آخر تم کس قسم کے لوگ ہو !

ماں : ہم غریب لوگ ہیں۔

لڑکی : تمام جنگ لڑنے والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بندوقیں اٹھائیں کیا تم نے یہ نہیں پڑھا !

ماں : میں نے پڑھا ہے' یہ حکومت ہو یا وہ' آخر میں ہمیں گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا جائے گا' اس لئے میں نہیں چاہتی کہ میرے بچے خود کو رضا کارانہ طور پر گندگی میں ڈالیں۔

لڑکی : آپ یہ چاہتی ہیں کہ کوئی دوسرا انہیں دیوار پر سے اٹھا کر پھینکے ایسی

بیوقوفی تو میں نے کبھی نہیں دیکھی! یہ آپ ہی جیسے لوگوں کا قصور ہے کہ بات اتنی بڑھ گئی اور سورلاتاو کی اتنی ہمت ہو گئی کہ اب وہ ریڈیو پر تقریر کرنے لگا ہے۔

ماں : (کمزوری سے) میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی میرے گھر میں اس قسم کی باتیں کرے۔

لڑکی : (قابو سے باہر ہو کر) کیا آپ جنرلوں سے خوش ہیں!

نوجوان : (زور سے) نہیں، یہ خوش نہیں ہیں، مگر یہ چاہتی ہیں کہ ہم لڑائی میں نہیں جائیں۔

مزدور : غیر جانبدار ہو، کیا یہی مطلب ہے!

ماں : مجھے معلوم ہے کہ تم میرے گھر میں سازش کرنا چاہتے ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ یان کو دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا جائے، خدایا! کیا ہمیں کبھی سکون نہیں ملے گا!

لڑکی : اور آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے شوہر کی اوویڈو جاتے وقت مدد کی تھی۔

ماں : (آہستگی سے) اپنا منہ بند رکھو، میں نے کوئی مدد نہیں کی، یہ سب جھوٹ ہے۔

لڑکی : گاؤں کے تمام لوگ اس بات کو مانتے ہیں کہ کارو کارارا ایک بہادر شخص تھا، لیکن وہ راتوں کو چھپ کر جاتا تھا، یہ بھی ہمیں معلوم ہے۔

نوجوان : میرا باپ کبھی گھر سے چھپ کر نہیں گیا، مانسوئیلا!

ماں : ہوزے، تو خاموش رہ۔

لڑکی : اپنے لڑکے سے کہہ دینا کہ اب اس سے میرا کوئی تعلق نہیں، اور اب اسے ضرورت نہیں کہ میرے سامنے آئے۔ میں اس سے پوچھ سکتی ہوں کہ وہاں کیوں نہیں گیا کہ جہاں اس کی ضرورت ہے (جاتی ہے)

مزدور : شاید مجھے اس [illegible] طرح سے نہیں جانا چاہیے تھا۔

ماں : میرا خیال ہے کہ اس نے شرط لگالی تھی کہ اس کو کس طرح سے

محاذ پر بھیجا جائے۔ میں یان کو بلاتی ہوں' یا ہوزے تم بلا لاؤ نہیں نہیں رک جاؤ' میں خود ہی جاتی ہوں' (جاتی ہے)

مزدور : ہوزے' میرا خیال ہے کہ تو ان حماقتوں میں نہیں ہے اور اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں کہ تجھے سب کچھ سمجھایا جائے' اس لئے ذرا یہ تو بتاؤ کہ وہ کہاں ہے۔

نوجوان : کیا!

مزدور : بندوق!

نوجوان : باپ والی۔

مزدور : ہاں' اسے یہاں ہی ہونا چاہئے' وہ اس کے بغیر گیا نہیں ہو گا۔

نوجوان : کیا تم اسے لینے آؤ ہو!

مزدور : اور نہیں تو کیا لینے آیا ہوں۔

نوجوان : وہ تمہیں کبھی نہیں دے گی' اس نے اسے چھپا کر رکھا ہے۔

مزدور : کہاں!

(نوجوان کونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مزدور اٹھ کر ادھر جانا چاہتا ہے کہ قدموں کی آواز آتی ہے)

مزدور : (جلدی سے دوبارہ بیٹھتے ہوئے) کیا خاموشی ہے!

(ماں گاؤں کے پادری کے ساتھ آتی ہے' وہ لمبا تڑنگا آدمی ہے اور اچھے تراش خراش کے کپڑے پہنے ہوئے ہے)

پادری : آداب عرض ہوزے (مزدور کی طرف ہوتے ہوئے) آداب عرض

ماں : پادری یہ میرا بھائی ہے' جو موٹرل سے آیا ہے۔

پادری : بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر (ماں سے) مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے' کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کل آپ دوپہر کو توری ہو خاندان سے آکر مل لیں۔ بچے بالکل اکیلے ہیں۔ توری ہو آپ کے شوہر کے ساتھ محاذ پر چلا گیا تھا۔

ماں : میں ضرور آؤں گی۔

پادری : (مزدور سے) آپ کے علاقے کے کیا حالات ہیں !

کہ یہاں اور موٹل کے درمیان رابطہ بڑا مشکل ہو گیا ہے

مزدور : ہاں، یہاں تو جیسے بڑا سکون ہے، کیوں ہے نا!

پادری : کیا فرمایا آپ نے!

ماں : پیڈرو، میرا خیال ہے کہ پادری نے تم سے کچھ سوال ک
آخر کیوں آیا ہے۔

مزدور : میرا خیال ہے کہ میں اپنی بہن سے ملنے آیا ہوں،

پادری : (ماں کو خوشی کے ساتھ دیکھتے ہوئے) خوب، خوب،
سے ملنے آئے ہیں، آپ نے محسوس تو کیا ہو گا کہ وہ اب
رہتی ہیں۔

مزدور : آپ اس کے پاس بچوں کو چھوڑ رہے ہیں۔

ماں : پادری، آپ چند گھونٹ شراب کے ضرور پینا پسند کریں
بچوں کا خیال رکھتا ہے کہ جن کے باپ محاذ پر چلے گئے ہیں
کہ آپ دن بھر ادھر ادھر بھاگنے میں مصروف رہتے ہوں
(وہ پادری کو شراب کا گلاس دیتی ہے)

پادری : (بیٹھتے ہوئے گلاس اٹھاتا ہے) میں تو یہ دیکھنا چاہتا ہو
ہے جو میرا کام سنبھالنے کی ہمت کرے۔

(عین اس وقت پیریز کے گھر سے ریڈیو کی آواز آتی ہے۔
دیتی ہے)

پادری : کھڑکی کھلی رہنے دیں، انہوں نے مجھے یہاں اندر آ
وہ مجھے پسند نہیں کرتے، وہ مجھے یہ ریڈیو سنوانا چاہتے ہیں۔

مزدور : کیا آپ اس سے پریشان ہوتے ہیں!

پادری : ہاں، مگر کھڑکی کھلی رہنے دیں۔

جنرل کی آواز : لوگ اس جھوٹ کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ
سے قومی مفادات کو تباہ کیا جا رہا ہے، ہم سرخوں کے مخالف

ان دس ہزار راہبوں کے قتل کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں کہ جس کے وہ مرتکب ہوئے ہیں۔ ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر نیشنل آرمی بموں اور بندوقوں کی مدد سے فتح مند ہو گئی تو وہ کسی راہب کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرے گی۔

(مزدور پادری کی طرف سگریٹ بڑھاتا ہے' پادری اگرچہ سگریٹ نہیں پیتا مگر ہنستے ہوئے ایک لیتا ہے)

جنرل کی آواز : وہ لوگ کہ جو اس منصوبہ کو سمجھتے ہیں ان میں جنرل فرانکو' جنرل متولا اور......

ریڈیو بند ہو جاتا ہے۔

پادری : (سکون کا سانس لیتا ہے) خدا کا شکر ہے کہ پیریز والوں نے اور زیادہ نہیں سنوایا' میرا مطلب ہے کہ اس قسم کی تقریر کا کوئی اچھا اثر نہیں ہوتا ہے۔

مزدور : مگر ہم تو سنتے ہیں کہ خود دمٹی کن والے اس قسم کا جھوٹ پھیلاتے ہیں۔

پادری : مجھے معلوم نہیں (رنجیدگی سے) میرا خیال ہے کہ چرچ کا یہ کام نہیں کہ وہ سفید کو کالا اور کالے کو سفید کرے۔

مزدور : (نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے) یقیناً نہیں!

ماں : (جلدی سے) پادری' میرا بھائی ملیشہ کے ساتھ لڑنے والوں میں سے ہے۔

پادری : آپ کس فرنٹ سے آ رہے ہیں۔

مزدور : ملاگا سے۔

پادری : وہاں تو بڑی اندوہناک صورت حال ہے۔

(مزدور خاموشی سے سگریٹ پیتا رہتا ہے)

ماں : میرا بھائی مجھے ایک اچھی چینی عورت نہیں مانتا' اس کا خیال ہے کہ

نوجوان : اور مجھے بھی' ہمارا تعلق وہیں سے ہے۔

پادری : آپ کو معلوم ہے مسز کاررار' کہ میں آپ کی صورت حال کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں' چرچ بہت سی باتوں میں قانونی حکومتوں کی حمایت کرتا ہے 18 میں سے 17 چرچ کے حلقوں نے حکومت کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے' جب کہ میرے کچھ بھائی محاذ پر بھی کام کر رہے ہیں' اور ان میں سے کچھ جان بھی دے چکے ہیں لیکن میں ذاتی طور پر جنگ جو نہیں' خدا نے مجھے یہ صلاحیت نہیں دی کہ میں اپنے حلقہ کے لوگوں سے کہوں (وہ الفاظ تلاش کرتا ہے) کہ وہ جنگ میں شرکت کریں' میرے لئے تو حضرت عیسیٰ کا یہ جملہ بہت اہم ہے کہ "تجھے کسی کو قتل نہیں کرنا چاہئے"۔ میں کوئی امیر آدمی نہیں' میرے پاس خانقاہ کی دولت بھی نہیں' میں اپنے حلقہ کے لوگوں کے ساتھ جو تھوڑا بہت ہے اس میں شرکت کر لیتا ہوں میں اس وقت جو کر سکتا ہوں وہ یہ کہ انہیں الفاظ کے ذریعہ مطمئن کر دوں۔

مزدور : ٹھیک ہے آپ جنگ لڑنے والے نہیں ہیں' مگر سوچئے کہ ایک ایسا آدمی کہ جسے قتل کئے جانے والا ہے' اور اس کے قتل کو روکنا ضروری ہے کیا آپ اسے ان الفاظ کے ساتھ بچالیں گے کہ "تجھے قتل نہیں کرنا چاہئے"۔ اگر اسے آپ کے سامنے ایک مرغ کی طرح ذبح کر دیا جائے تو میرا خیال ہے کہ آپ ضرور جنگ میں حصہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے' میرا مطلب ہے کہ اپنے طریقہ سے' بہرحال معاف کیجئے میں نے جو کچھ کہا' اس کا آپ نے برا نہیں مانا ہو گا۔

پادری : میں بھوک ختم کرنے میں حصہ لے سکتا ہوں۔

مزدور : آپ کا خیال ہے کہ ہمیں روز کی روٹی اس وقت مل جایا کرے گی کہ جب آپ ہمارے لئے یسوع مسیح سے دعا کریں گے!

پادری : یہ تو میں نہیں کہہ سکتا' میں تو صرف دعا کر سکتا ہوں'

مزدور : آپ کو شاید اس خبر سے دلچسپی ہو کہ خدا نے اس جہاز کو جو کھانے

پینے کی اشیاء لے کر آیا تھا' واپس کر دیا ہے۔

نوجوان : کیا یہ صحیح ہے ماں ! کہ جہاز واپس ہو گیا ہے۔

مزدور : ہاں' یہ غیر جانبداری ہے (اچانک) اور آپ بھی غیر جانبدار ہیں۔

پادری : اس سے آپ کا کیا مطلب ہے !

مزدور : یعنی آپ خاموش رہیں' اور خاموش رہ کر ان جنرلوں کو اجازت دیں کہ وہ اسپین کے عوام کا خون بہائیں۔

پادری : (ہاتھ سر کی طرف اٹھاتے ہوئے) میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔

مزدور : (ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے) تھوڑی دیر کے لئے آپ ہاتھ اسی طرح اونچے کئے رہیں' اسی حالت میں بلداہوز میں ہمارے پانچ ہزار ساتھیوں کو گھروں میں محصور رکھا گیا اور پھر اسی حالت میں ان کو گولی مار دی گئی۔

ماں : پیڈرو' تجھے اس طرح سے نہیں بولنا چاہئے۔

مزدور : میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر انسان کا رویہ غلط ہو تو یہ ایسا ہی ہے' کہ جیسے وہ ہتھیار ڈال دے اور خود کو ذلیل کرے' میں نے پڑھا ہے کہ لوگ خود کو بے قصور سمجھ کر معصوم بن جاتے ہیں۔ مگر ایسے لوگ خون سے ہاتھ دھوتے ہیں' اور یہ خون ان کے ہاتھوں پر جم جاتا ہے۔

ماں : پیڈرو !!

پادری : چھوڑیئے مسز کاررار' چھوڑیئے' ایسے موقعوں پر روح گرم ہو جاتی ہے۔ جب یہ وقت ختم ہو جائے گا' تو ہم دوبارہ سکون سے سوچ سکیں گے۔

مزدور : کیونکہ ہم مایوس اور غیر متمدن لوگ ہیں اس لئے ہم اس قابل ہیں کہ ہمیں اس دنیا سے تہس نہس کر دیا جائے۔

پادری : ایسا کون کہتا ہے !

مزدور : ریڈیو کا جنرل' کیا آپ نے اسے تھوڑی دیر پہلے نہیں سنا ! میرا خیال ہے آپ ریڈیو بہت کم سنتے ہیں۔
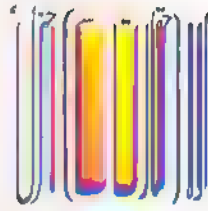
پادری :
مزدور : ایسا مت کہئے' اوہ جنرل' جنرل نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اسپین کے حقیر عوام کو اس سرزمین سے صاف کر دے گا' اس کی مدد کے لئے جرمن اور اطالوی موجود ہیں۔

ماں : یہ بھی کتنے افسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں کو اس ملک میں بلایا گیا ہے کہ جن کا مقصد محض دولت اکٹھی کرنا ہے۔

پادری : آپ کا کیا خیال ہے کہ کیا دوسری طرف بااصول اور بامقصد اور عہد کے پابند لوگ نہیں ہیں۔

مزدور : میں تو صرف یہ جاننا چاہوں گا کہ وہ کون سا مقصد ہے کہ جس پر انہیں یقین ہے۔

وقفہ۔

پادری : (گھڑی دیکھتا ہے) مجھے اب چلنا چاہئے۔ میں توری لو خاندان کو جاتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔

مزدور : اس بات کو مت سوچئے کہ پارلیمنٹ میں لسے بااصول اراکین کی اکثریت ہے کہ جو کسی منشور اور مقصد کے تحت منتخب ہو کر آئے ہیں۔

پادری : یہ تو میرا بھی یقین ہے۔

مزدور : میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب آدمی پر وقت آپڑے اور وہ اپنی مدافعت کرنا چاہے تو یہ مدافعت صرف ہتھیار اٹھا کر ہی کی جا سکتی ہے---

ماں : (بات کاٹتے ہوئے) تو پھر شروع ہو گیا' بس کر' اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

پادری : جیسا کہ ہم جانتے ہیں' آدمی خالی ہاتھ پیدا ہوتا ہے' خدا اس کے ہاتھوں میں ماں کی گود میں ہتھیار نہیں تھما دیتا ہے' میں تو اس نظریہ کا قائل ہوں کہ دنیا سے یہ دکھ اور اذیت اسی وقت ختم ہو گی کہ جب ماہی گیر اور مزدور۔ میرا خیال ہے آپ مزدور ہیں' اپنے خالی ہاتھوں سے اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں گے' اور مقدس کتاب میں کہیں نہیں لکھا ہے کہ یہ دنیا ہی آخری دنیا ہے' یہ دنیا تو ظلم' دکھ اور گناہ

سے بھری ہوئی ہے' اس لئے جب اس کو اس دنیا میں بغیر ہتھیار کے بھیجا گیا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ خالی ہاتھ ہی اس دنیا سے رخصت ہو۔

مزدور : آپ نے خوب کہا۔ اور میں اس کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ جو سننے میں بہت اچھا لگتا ہو۔ میری خواہش ہے کہ جنرل فرانکواس سے متاثر ہو' مگر مصیبت یہ ہے کہ جنرل فرانکو سر سے پیر تک مسلح ہے اور اس کی ابھی اس دنیا سے جانے کی کوئی خواہش بھی نہیں ہے' اگر وہ یہ دنیا چھوڑ دے تو ہم اسے اسپین کا تمام اسلحہ دینے کو تیار ہیں۔ اس کے پائلٹ ہوائی جہازوں سے اشتہار پھینک رہے ہیں جو میں نے موٹرل کی ایک گلی سے اٹھایا ہے۔

(وہ اپنی جیب سے اشتہار نکالتا ہے۔ پادری اور نوجوان اسے دیکھتے ہیں)

نوجوان : دیکھا ! اس میں ایک بار پھر کہا گیا ہے کہ وہ ہم سب کو نیست و نابود کر دے گا۔

ماں : (پڑھتے ہوئے) وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے۔

مزدور : وہ ایسا بالکل کر سکتے ہیں' پادری صاحب آپ کا کیا خیال ہے !

نوجوان : جی ہاں !

پادری : (غیر یقینی سے) شاید وہ ٹیکنیکل طور پر اس حیثیت میں ہوں' مگر میں جہاں تک مسز کاررار کو سمجھا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہوائی جہاز سے اشتہار پھنکنا اور دھمکی دینا اور بات ہے' تاکہ اس سے لوگوں کو ڈرایا جائے لیکن میرا خیال ہے کہ فوجی جنرل اپنی دھمکی کو عملی جامہ نہیں پہنائیں گے۔

مزدور : میں آپ کی بات بالکل نہیں سمجھا۔

نوجوان : اور میں بھی۔

پادری : (مزید غیر یقینی سے) میرا خیال ہے میں نے اپنی بات واضح کر دی ہے۔

مزدور : آپ کے جملے تو صحیح ہیں' مگر آپ کا مطلب میرے اور ہوزے کے

لئے واضح نہیں کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ بمباری نہیں کریں گے۔

وقفہ۔

پادری : میں اسے صرف دھمکی سمجھتا ہوں۔

مزدور : جو کہ عمل میں نہیں آئے گی۔

پادری : نہیں۔

ماں : میں جہاں تک سمجھ سکی ہوں وہ یہ ہے کہ وہ ہمیں خبردار کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے خلاف نہ ہوا جائے تاکہ اس طرح سے خون ریزی کو روکا جا سکے۔

نوجوان : جنرل اور خون ریزی کو روکیں۔

ماں : (اشتہار کو اٹھاتے ہوئے) اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ جو ہتھیار ڈال دے گا اسے معاف کر دیا جائے گا۔

مزدور : پادری' میں اب آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا واقعی ان کو معاف کر دیا جائے گا کہ جو ہتھیار ڈال دیں گے!

پادری : (کسی مدد کی تلاش میں آنکھیں جھپکاتے ہوئے) کیا جنرل فرانکو کو اس لئے نظرانداز کر دیا جائے کہ وہ عیسائی ہے!

مزدور : اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے وعدہ پر قائم رہے گا۔

پادری : (زور دے کر) اسے رہنا چاہئے۔

ماں : جو لڑتا نہیں' اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔

مزدور : محترم پادری' معاف کیجئے گا' مجھے آپ کا نام معلوم نہیں۔

پادری : فرانسسکو۔

مزدور : (بات جاری رکھتے ہوئے) میں آپ سے یہ نہیں پوچھ رہا کہ جنرل فرانکو کو آپ کی خواہش کے مطابق کیا کرنا چاہئے' بلکہ یہ کہ وہ کیا کرے گا! میرا خیال ہے کہ آپ میرا سوال سمجھ گئے ہوں گے۔

پادری : جی ہاں۔

مزدور : میں آپ سے ایک عیسائی کی حیثیت سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر

آپ کے پاس مال و دولت نہیں کہ جس سے آپ لوگوں کی مدد کریں، لیکن اگر آپ کے سامنے ایک ایسی صورت حال ہو کہ جس میں موت اور زندگی کا سوال ہو، تو کیا اس میں آپ صرف سچ بولتے رہیں گے۔

پادری : پریشانی سے میں آپ کی بات سمجھتا ہوں۔

مزدور : میں آپ کے جواب کو آسان بنانے کے لئے آپ کو وہ یاد دلادوں کہ جو ملاگا میں واقع ہوا تھا۔

پادری : میں جانتا ہوں کہ آپ کا کیا مطلب ہے۔ مگر کیا آپ کو یقین ہے کہ ملاگا میں کوئی بندوق نہیں تھی!

مزدور : آپ جانتے ہیں کہ 50 ہزار بھاگنے والوں جن میں مرد، عورتیں، اور بچے شامل تھے انہیں 220 کلو میٹر کے لمبے راستے پر جو کہ المیرا تک جاتا تھا، فرانکو کی فوج نے جہازوں، طیاروں مشین گنوں اور بموں کے ذریعہ ختم کر دیا۔

پادری : یہ تو بڑی وحشت ناک خبر ہے۔

مزدور : ایسی ہی جیسے کہ قتل شدہ راہبوں کی۔

پادری : ایسی ہی جیسے قتل شدہ راہبوں کی،

مزدور : جن کو کہ قتل نہیں کیا گیا۔

(پادری خاموش ہو جاتا ہے)

مزدور : مسز کاررار اور ان کے لڑکے جنرل فرانکو کے خلاف لڑنا نہیں چاہتے تو کیا ان کی زندگی محفوظ رہے گی!

پادری : انصاف کے مطابق۔

مزدور : ہاں انصاف کے مطابق!

پادری : (جوش سے) آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں آپ کی ضمانت دوں!

مزدور : نہیں آپ صرف اپنی رائے کا اظہار کریں کہ کیا مسز کاررار اور ان کے لڑکے محفوظ رہیں گے؟

مزدور : میرا خیال ہے، آپ میرا مطلب سمجھتے ہیں، آپ ایک باصول انسان

ہیں۔

پادری : (پریشانی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے(اچھا ! مسز کاررار، مجھے امید ہے آپ توری لو کے بچے دیکھنے ضرور آئیں گی۔

ماں : (تذبذب سے) میں دوپہر تک ضرور آؤں گی، آپ کے آنے کا شکریہ۔

(پادری جاتا ہے۔ مزدور اور نوجوان ایک دوسرے کو دیکھ کر سر ہلاتے ہیں ماں اسے چھوڑنے جاتی ہے)

نوجوان : تم نے سنا، یہ ہمیشہ یہی کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ اب بغیر بندوق کے کام نہیں چلے گا۔

مزدور : بندوق کہاں ہے ! جلدی کرو۔

(دونوں جاتے ہیں، اور بڑے بکس کو دھکیل دیتے ہیں، اور اس کے نیچے کی زمین کھودتے ہیں)

نوجوان : وہ جلدی واپس آجائے گی۔

مزدور : ہم بندوق کھڑکی کے پاس رکھدیں گے، بعد میں میں اسے وہاں سے لے جاؤں گا وہ جلدی سے بندوق نکالتے ہیں، ایک چھوٹا سا جھنڈا جو اس میں لپیٹا ہوا تھا وہ زمین پر گرتا ہے۔

نوجوان : یہ اس کا جھنڈا ہے، میرا خیال ہے خاموشی سے بیٹھ جاؤ، آخر اتنی جلدی کیا ہے !

مزدور : مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔

(دونوں بندوق کا معائنہ کرتے ہیں۔ نوجوان میش کی ٹوپی جیب سے نکالتا ہے اور فاتحانہ انداز میں اسے اوڑھ لیتا ہے)

مزدور : تمہارے پاس یہ کہاں سے آگئی !

نوجوان : تبادلہ میں لی ہے (دروازے کی طرف چوری چوری دیکھتے ہوئے اسے دوبارہ سے جیب میں رکھ لیتا ہے)

ماں : (اندر آتے ہوئے) بندوق واپس رکھ دے' کیا تو اس کے لئے آیا تھا!

مزدور : ہاں' ہمیں اس کی ضرورت ہے' ہم جنرلوں کو صرف ہاتھوں سے نہیں روک سکتے۔

نوجوان : اور تم پادری سے سن چکے ہو کہ صورت حال کیا ہے!

ماں : اگر تم بندوق لینے کی غرض سے آیا ہے تو زیادہ انتظار مت کر اور چلاجا' اگر تو نے پریشان کیا تو میں اپنے بچوں کو لے کر کہیں اور چلی جاؤں گی۔

مزدور : کیا تم چاہتی ہو کہ ہماری زمین دنیا کے نقشہ سے مٹ جائے' ہم اس طرح سے زندہ رہیں کہ جیسے ایک ٹوٹی پلیٹ کہ جس میں پانی بھی نہیں رکتا' ہمارے اوپر بمبار طیارے ہیں' تم بھاگ کر کہاں جاؤگی' توپوں کے منہ میں!

(وہ آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے بندوق لے لیتی ہے)

ماں : پیڈرو' تجھے بندوق نہیں مل سکتی ہے۔

نوجوان : ماں' تجھے یہ دے دینی چاہئے' یہاں بیکار چھپی ہوئی پڑی ہے۔

ماں : ہوزے' تو خاموش رہ' تجھے کیا پتہ!

(مزدور خاموشی سے کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور سگریٹ سلگاتا ہے)

مزدور : ٹریسا' تیرا کوئی حق نہیں کہ تو کاروس کی بندوق قبضے میں رکھے۔

ماں : (بندوق کو بکس میں رکھتے ہوئے) میرا حق ہے یا نہیں مگر میں یہ تمہیں نہیں دوں گی' میرے سامنے یہ تم نہیں لے سکتے' اور میرے مکان میں میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔

مزدور : میرے لئے یہ کوئی اہم نہیں کہ کیا چیز تیرے گھر سے تعلق رکھتی ہے' تیرے بارے میں میرا جو خیال ہے وہ میں تیرے لڑکوں سے نہیں کہوں گا' اور نہ اس پر بحث کروں گا کہ تیرا شوہر تیرے بارے میں کیا سوچتا تھا' اس نے جنگ لڑی' اور تو محض اپنے لڑکوں کے ڈر سے اپنی عقل کھو بیٹھی۔

ماں : اس کا مطلب کیا ہے؟

مزدور : اس کا مطلب ہے کہ میں بغیر بندوق کے نہیں جاؤں گا اس بارے

میں تجھے مکمل یقین ہو جانا چاہئے۔

ماں : تو کیا تو مجھ مارے گا!

مزدور : نہیں یہ میں نہیں کروں گا میں جنرل فرانکو نہیں ہوں' میں صرف یان سے بات کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ میں بندوق ضرور حاصل کر لوں گا۔

ماں : (جلدی سے) یان واپس نہیں آئے گا۔

نوجوان : مگر تو تو اسے خود بلانے گئی تھی۔

ماں : میں نے اسے واپس نہیں بلایا۔ پیڈرو میں نہیں چاہوں گی کہ وہ تم سے ملے۔

مزدور : میرا بھی یہی خیال تھا' لیکن آخر میری بھی تو آواز ہے' میں پانی کے اندر جا کر اسے بلا سکتا ہوں اور میرا ایک جملہ کافی ہو گا' میں یان کو جانتا ہوں وہ بزدل نہیں' تو اسے روک نہیں سکے گی۔

نوجوان : میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔

ماں : (آہستہ سے) پیڈرو' میرے بچوں کو امن کے ساتھ رہنے دے میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ اگر یہ گئے تو میں خودکشی کر لوں گی' میں جانتی ہوں کہ یہ ایک گناہ ہے اور اس کی پاداش میں میں ابدی اذیت میں مبتلا رہوں گی۔ مگر میں اور کچھ نہیں کر سکتی' جب کارلوس مرا ہے تو میں اسی وقت خودکشی کرنے والی تھی' میں جانتی ہوں کہ قصور میرا ہے مگر وہ خود بھی اپنی سختی اور بدمزاجی کی وجہ سے مشہور تھا' ہمارے لئے آسان نہیں کہ زندگی کا بوجھ اٹھا سکیں۔ لیکن اس کا حل بندوق نہیں ہے' میں جنرلوں کی حامی نہیں اور مجھے افسوس ہے کہ مجھے اس کا یقین دلانا پڑ رہا ہے' لیکن اگر میں علیحدہ رہی اور جنگ میں شامل نہیں ہوئی' تو شاید وہ ہمیں معاف کر دیں' یہ بات آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہے' میں اس جھنڈے کو دوبارہ دیکھنا نہیں

چاہتی' ہم پہلے ہی سے کافی بدقسمت ہیں۔

(وہ خاموش ہو جاتی ہے' چھوٹے جھنڈے کو اٹھاتی ہے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ پھر ان ٹکڑوں کو جمع کر کے جیب میں رکھ لیتی ہے)

مزدور : ٹرسا' کیا اچھا ہوتا کہ تو خودکشی کر لیتی۔

(کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے' اور بوڑھی مسز پیریز کالے کپڑوں میں اندر آتی ہے)

نوجوان : (مزدور سے) یہ مسز پیریز ہیں۔

مزدور : (زور سے) کس قسم کے لوگ ہیں۔

نوجوان : اچھے لوگ ہیں۔ ریڈیو والے' ان کی لڑکی پچھلے ہفتہ محاذ پر ماری گئی۔

بوڑھی عورت : میں نے اس وقت تک انتظار کیا کہ پادری چلا جائے' میں آپ سے یہ کہنا چاہتی تھی کہ مجھے افسوس ہے کہ میرے خاندان والوں نے آپ کو پریشان کیا (ماں خاموش رہتی ہے)

بوڑھی عورت : (بیٹھ جاتی ہے) محترمہ کاررار' آپ اپنے بچوں کی وجہ سے ڈرتی ہیں۔ لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ ان دنوں میں بچوں کو پالنا کس قدر دشوار ہے' میرے خود سات بچے ہوئے (وہ مزدور کر طرف مڑتی ہے کہ جس سے اس کا تعارف نہیں ہوا ہے) اور ان میں سے کوئی زیادہ نہیں باقی بچے' ان میں سے دو تو اسی وقت مر گئے تھے جب کہ 89 اور 99 کا قحط پڑا تھا' اندریا کے بارے میں مجھے کچھ پتہ نہیں کہ کہاں ہے ! آخری مرتبہ اس نے ریو سے لکھا تھا جو لاطینی امریکہ میں ہے۔ ماریانا میڈرڈ میں ہے' ہم بوڑھے لوگ آخر عمر میں بس یہ چاہتے ہیں کہ کوئی ہماری تھوڑی بہت دیکھ بھال کرے۔

ماں : مگر فرننڈو تو تمہارے پاس ہے۔

بوڑھی عورت : ہاں ہے !!

ماں : (پریشانی سے) معاف کیجئے گا' میں آپ کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتی۔

نوجوان : (مزدور سے) وہ فرانکو کے ساتھ ہے۔

بوڑھی عورت : ہم فرنسدو کے بارے میں اب کوئی بات نہیں کریں گے۔

(وقفہ کے بعد)

میرے خیال میں آپ میرے خاندان کے لوگوں کو اس وقت تک نہیں سمجھیں گے کہ جب تک آپ ان کے غم کو نہ جانیں کہ جس سے وہ انیز کے مرنے کے بعد سے دوچار ہیں۔

ماں : ہمیں سب کو انیز سے محبت تھی (مزدور سے) اس نے بیان کو پڑھایا تھا۔

نوجوان : اور مجھے بھی۔

بوڑھی عورت : آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ دوسری جانب ہیں' مگر میں تو یہ جانتی ہوں کہ فرق امیر اور غریب میں ہے۔

ماں : میں نہیں چاہتی کہ میرے بچے فوجی بنیں' وہ ذبح کیے جانے والے مویشی نہیں۔

بوڑھی عورت : مسز کاررار' میں ہمیشہ سے یہ کہتی ہوں کہ غریب لوگوں کے لئے زندہ رہنے کی کوئی ضمانت نہیں۔ ہم نے انیز کی زندگی کی حفاظت کا کتنا خیال کیا۔

ماں : مگر وہ زندہ رہ سکتی تھی۔

بوڑھی عورت : مگر کیسے!

ماں : تمہاری لڑکی جو استانی تھی اسے نہیں چاہئے تھا کہ بندوق اٹھاتی اور جنرلوں کے خلاف لڑتی۔

مزدور : جن کو مقدس باپ بھی مالی امداد دیتے ہیں۔

بوڑھی عورت : وہ کہتی تھی کہ وہ استانی رہنا چاہتی ہے۔

ماں : وہ ملاگا کے اسکول میں نہیں رہ سکی کہ جہاں جنرل آتے اور جاتے رہے۔

بوڑھی عورت : اس کے باپ نے سات سال تک تمباکو نوشی ترک کر دی'

اور ان تمام سالوں میں اس کے بھائی بہنوں کو دودھ کا ایک قطرہ پینے کو نہیں ملا' یہ سب اس لئے کہ وہ استانی بن سکے' اور پھر کیا ہوا! انیز کہنے لگی کہ وہ دو اور دو پانچ نہیں پڑھا سکتی اور نہ یہ کہ جنرل فرانکو خدا کی جانب سے بھیجا ہوا ہے۔

ماں : اگر یان میرے پاس آئے اور کہے کہ وہ جنرلوں کی حکومت میں مچھلیاں نہیں پکڑے گا تو میں اسے سیدھا کر دوں گی' کیا خیال ہے کہ اگر ہم جنرلوں کے خلاف بولیں گے تو کیا ہمیں معاف کر دیا جائے گا۔

مزدور : میرا خیال ہے کہ اگر ہمارے پاس بندوق ہو تو وہ ایسا کرنے کی جرات نہیں کریں گے۔

ماں : پھر وہی بندوق!

مزدور : اس وقت سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں میڈرڈ کی طرف رخ کرنا چاہئے یا اس بات کا موقع دینا چاہئے کہ جنرل مولا پہاڑوں پر سے آئے اور حملہ کر دے! دو سال سے یہاں روشنی تھی' کمزور روشنی' اور اب پھر دوبارہ سے رات ہونے والی ہے' اب پھر استانیوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہو گی کہ وہ دو اور دو کو چار کہیں' اگر انہوں نے بچوں کو صحیح بات بتا دی تو انہیں سخت سزا دی جائے گی' کیا تم نے اسے آج شام کہتے نہیں سنا کہ وہ ہمیں اس دنیا سے نیست و نابود کر دے گا۔

ماں : صرف انہیں جو ہتھیار اٹھائیں گے۔ مجھے مجبور مت کر کہ میں اور بولوں' میں تجھ سے اکیلی نہیں لڑ سکتی۔ جب آٹے کا تھیلا خالی ہوتا ہے تو اس وقت میں تمہارے چہرے پڑھ سکتی ہوں اور خود کو قصور وار ٹھہراتی ہوں --- جب ہوائی جہاز بم برساتے ہیں تو میرے لڑکے مجھے ایسے دیکھتے ہیں' کہ جیسے انہیں میں نے بھیجا ہو۔ تم لوگ سمجھتے ہو کہ شاید میں پاگل ہوں' جب کہ میں کہتی ہوں کہ جنرل بھی آخر انسان ہیں شاید خراب انسان ہوں' مگر وہ توپیں تو نہیں کہ ان سے بات نہیں ہو سکتی ہو' مسز پیریز آخر آپ میرے پاس کیوں آئیں! کیا آپ سمجھتی ہیں کہ آپ نے جو کچھ یہ

ہے میں اسے نہیں سمجھتی ہوں! تمہارے تو مر چکے ہیں' اب تم میرے

والوں کو کیوں قطار میں کھڑا کرنا چاہتی ہو۔ میں تو پہلے ہی اپنا قرض چکا چکی ہوں۔

بوڑھی عورت : (کھڑے ہوتے ہوئے) میں آپ کو غصہ دلانا نہیں چاہتی تھی' ہم آپ کے شوہر کے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتے ہیں' میں آپ سے معافی مانگتی ہوں کہ میرے گھر والوں نے آپ کو تنگ کیا۔
(جاتے ہوئے مزدور اور نوجوان کے سامنے سر ہلاتی ہے)
وقفہ۔

ماں : سب سے خراب بات تو یہ ہے کہ یہ اپنے گھمنڈ کے باوجود یہاں آئی' آدمی باتیں بہت کرتا ہے مگر ان پر عمل کم کرتا ہے ویسے میں انیز کے خلاف قطعی نہیں۔

مزدور : (غصہ سے) تو انیز کے خلاف ہے کیونکہ تو نے اس کی کوئی مدد نہیں کی کیا یہ خلاف ہونا نہیں ہوا! تو کہتی ہے تو جنرلوں کی حامی بھی نہیں یہ سب جھوٹ ہے تو ان کے خلاف ہماری مدد نہیں کر رہی' کیا یہ ان کا ساتھ دینا نہیں ہوا!
ثریا' تو غیر جانبدار نہیں رہ سکتی۔

نوجوان : (اچانک اس کے پاس جاتا ہے) ماں! تجھے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا (مزدور سے) اس نے بندوق بکس میں بند کر دی ہے تاکہ ہم اسے نہیں لے سکیں' ماں یہ بندوق ہمیں دیدو۔

ماں : ہو نہ ہوزے' اس سے منہ دھو رکھو۔

نوجوان : میں پیڈرو ماموں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں' میں اس کا انتظار نہیں کروں گا کہ کوئی ہمیں سور کی مار ڈالے' تو مجھے جنگ سے اس طرح نہیں روک سکتی جیسے کہ تو نے سگرٹ پینے سے روکا تھا' دیکھ فلپ' اور اندریا' دونوں لڑتے ہوئے مارے گئے ہیں میں نہیں چاہتا کہ پورا گاؤں مجھ پر ہنسے'

ماں : میں جانتی ہوں' اور یہ بھی جانتی ہوں کہ پاؤلا بھی ہر قیمت پر محاذ پر

جانے کو تیار ہے۔

آخر یہ مذاق کیا ہے!

مزدور : یہ مذاق نہیں ہے۔

نوجوان : اسٹے توری لوری لو سے کہنا کہ وہ میرے چھوٹے جوتے لے لے پیڈرو ماموں آؤ (وہ جانا چاہتا ہے)

ماں : تجھے یہاں رہنا ہو گا۔

نوجوان : نہیں میں جاؤں گا' ویسے بھی تجھے مجھ سے زیادہ یان کی ضرورت ہے۔

ماں : میں یان کو کچھ نہیں کہہ سکتی کہ وہ میرے لئے مچھلیاں پکڑنے گیا ہوا ہے مگر میں تجھے نہیں جانے دوں گی (وہ اس کے پاس جا کر اس کے گلے میں باہیں ڈال دیتی ہے) جب تو چاہے سگرٹ پی سکتا ہے' تو باپ کی کشتی میں مچھلیاں بھی پکڑنے جا سکتا ہے' میں تجھ سے کچھ نہیں کہوں گی!

نوجوان : مجھے جانے دے۔

ماں : نہیں' تجھے یہاں رہنا ہو گا۔

نوجوان : (چھڑاتے ہوئے) نہیں' میں جاؤں گا۔ ماموں جلدی کرو اور بندوق لے لو۔

ماں : اوہ

وہ نوجوان کے چھڑانے میں گرتی ہے' اور پھر لنگڑاتی قدم رکھتی ہے۔

نوجوان : تجھے کیا ہوا؟

ماں : تجھے اس سے کیا کہ مجھے کیا ہوا! تجھے تو جانا ہے نا' تیری ماں نے شکست قبول کر لی۔

نوجوان : (رنجیدگی سے) میں نے کچھ نہیں کیا!

ماں : (اپنے پیروں کی مالش کرتے ہوئے) نہیں کچھ کیا' جا'

مزدور : میں تیرے پیر کی مالش کر دوں اور اسے بٹھا دوں'

ماں : مگر تو تو جانا چاہتا ہے' میرے گھر سے چلا جا' تو نے میرے بچے کو غصہ

دلایا کہ جس کی وجہ سے اس نے مجھے دھکا دیا۔

نوجوان: (غصہ سے) کیا میں نے تجھے دھکا دیا!

ماں: دغاباز، تو آخر مجھ سے تندور کی آخری روٹی بھی کیوں نہیں چھین لیتا۔ تم دو ہو، مجھے اس اسٹول سے باندھ کر چلے جاؤ۔

مزدور: بکواس بند کر۔

ماں: یان بھی اگرچہ پاگل ہے۔ مگر وہ اپنی ماں کے خلاف طاقت کبھی استعمال نہیں کرتا، اگر وہ آگیا تو تم دونوں کو پانی میں ڈبو دے گا۔

وہ اچانک اٹھ کھڑی ہوتی ہے کہ جیسے اسے کوئی خیال آیا ہو، اور کھڑکی کی طرف دوڑتی ہے۔ وہ اپنا لنگڑانا بھول جاتی ہے۔ نوجوان اس کے پیروں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مزدور : (غصہ اور مذاق میں) مگر پادری کو انہوں نے نہیں بھیجا ہو گا۔

ماں : ان کو اس وقت تک چین نہیں آئے گا کہ جب تک وہ سب کو محاذ پر بھیج نہیں دیں گے۔

مزدور : کیا تیرا مطلب ہے وہ محاذ پر چلا گیا ہے۔

ماں : وہ اس کے قاتل ہیں' لیکن وہ بھی ان سے بہتر نہیں' وہ بھی رات کے اندھیرے میں چلا گیا اور شاید میں اب اسے دوبارہ نہیں دیکھ سکوں۔

مزدور : ٹیریسا' میں تجھے بالکل نہیں سمجھ سکا' کیا تو نہیں سمجھتی کہ تو اسے جنگ سے روک کر اس کے ساتھ ظلم کر رہی ہے۔ اس پر وہ تیرا شکر گزار کیسے ہو گا۔

ماں : (ایسی حالت میں کہ جیسے وہ موجود نہیں) میں نے اسے اپنی وجہ سے نہیں روکا۔

مزدور : ہماری وجہ سے مت لڑو' مطلب یہ ہے کہ جنرلوں سے جنگ مت کرو۔

ماں : اگر اس نے ایسا کیا ہے اور میری مرضی کے بغیر ملیشا میں شامل ہو گیا ہے تو اس پر خدا کا قہر آئے' اس پر بمبار طیارے بم برسائیں' ٹینک اس کو کچلتے ہوئے چلے جائیں اور اس کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہے تاکہ پھر کوئی غریب جنرلوں کے خلاف لڑنے کی جرات نہیں کرے۔ میں نے اسے اس لئے پیدا نہیں کیا تھا کہ وہ مشین گن کے پیچھے بیٹھ ہوا کسی دوسرے انسان کی جان لے' دنیا میں اگر ناانصافی ہے تو میں نے اس نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کے خلاف ہو۔ میں اس پر اپن دروازہ کبھی نہیں کھولوں گی' اگر وہ واپس آئے اور کہے کہ وہ جنرلوں کو شکست دے کر رہا ہے تو میں دروازے کے پیچھے ہی سے کہوں گی کہ میں کسی ایسے شخص کو کہ جس پر خون کے دھبوں کے نشانات ہوں اندر میں داخل نہیں ہونے دوں گی۔ میں اسے اپنے گھر سے دور بھگا دوں گی' میں ایسا ضرور کروں گی۔ میرے لئے

جرنلوں کی جیت سے پہلے سمجھ لینا چاہئے۔ جو تلوار کو ہاتھ میں لیتا ہے وہ
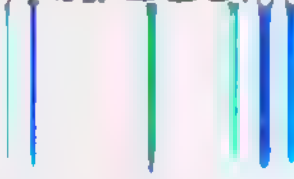
تلوار ہی کے ذریعہ مارا جاتا ہے۔ (دروازے کے سامنے آوازیں آتی ہیں۔
دروازہ کھلتا ہے اور تین عورتیں اندر آتیں ہیں جن کے ہاتھ سینوں پر
رکھے ہیں وہ دیوار کے سہارے کھڑی ہو جاتی ہے۔ کھلے دروازے سے دو
ماہی گیر خون میں بھرے بادبان میں مرے ہوئے یان کو لاتے ہیں۔ اس کے
پیچھے مردہ حالت میں نوجوان آتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں بھائی کی ٹوپی ہے'
ماہی گیر مردہ کو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں یان کا لمپ ہے'
اس دوران میں ماں سکتہ کے عالم میں بیٹھی رہتی ہے۔ عورتیں دعائیں
مانگ رہی ہیں ماہی گیر آہستہ سے مزدور کو بتا رہے ہیں کہ کیا ہوا)

پہلا ماہیگیر : ان کی مچھلیاں پکڑنے والی کشتی کی مشین گن سے ہوا' وہ اس کے پاس سے اس پر گولیاں برساتے چلے گئے۔

ماں : نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک غلطی ہے' وہ تو محض مچھلیاں پکڑنے گیا تھا۔

(ماہی گیر خاموش ہو جاتا ہے' ماں نڈھال ہو کر گر جاتی ہے مزدور اسے اٹھاتا ہے)

مزدور : اسے تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے۔

(ماں مردے پر جھک جاتی ہے)

ماں : یان

(عورتوں کی دعاؤں کی آواز' دور سے توپوں کی گھن گرج سنائی دیتی ہے)

ماں : کیا تم اسے بڑے بکس پر لٹا سکتے ہو!

(ماہی گیر اور مزدور لاش کو اٹھا کر بکس تک لے جاتے ہیں۔ بادبان وہیں پڑا رہتا ہے۔ دعائیں مانگنے والی عورتوں کی آواز اونچی ہو جاتی ہے ماں نوجوان کا ہاتھ پکڑ کر لاش تک جاتی ہے)

مزدور : (ماہی گیر سے) کیا یہ اکیلا تھا! اور کوئی دوسری کشتی وہاں نہیں تھی۔

پہلا ماہیگیر : نہیں' (دوسرے ماہی گیر کی طرف اشارہ کر کے) لیکن یہ ساحل

پر تھا۔

دوسرا ماہیگیر : انہوں نے اس سے کچھ نہیں پوچھا اور گولیاں برساتے چلے گئے' اس کا لمپ کشتی میں گر گیا۔

مزدور : مگر انہیں دیکھنا تو چاہئے تھا کہ یہ محض ایک ماہی گیر ہے۔

دوسرا ماہیگیر: ہاں دیکھنا تو چاہئے تھا۔

مزدور : اور اس نے بھی ان سے کچھ نہیں کہا!

دوسرا ماہیگیر: کاش میں نے سنا ہوتا۔

(ماں اس ٹوپی کو دیکھتی ہے جو نوجوان ہاتھ میں لایا تھا)

ماں : یہ اس ٹوپی کا قصور ہے۔

پہلا ماہیگیر: وہ کیسے!

ماں : یہ بھدی ٹوپی ہے اور ایسی کوئی شریف آدمی نہیں پہنتا۔

پہلا ماہیگیر : مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ جو بھی بھدی ٹوپی پہنے اس جان سے مار دیں۔

ماں : کیوں نہیں' وہ کوئی انسان ہیں۔ وہ کوڑھ ہیں اور کوڑھ ختم ہونا چاہئے (دعائیں مانگنے والی عورتوں سے مہذب انداز میں) میں آپ سے جانے کی درخواست کرتی ہوں' میرا بھائی میرے پاس ہے۔ میں کچھ کام کرنا چاہتی ہوں۔

(لوگ چلے جاتے ہیں)

پہلا ماہیگیر: کشتی کو ہم نے باندھ دیا ہے۔

(جب وہ اکیلے رہ جاتے ہیں تو ماں بادبان کو اٹھاتی ہے اور اس کی طرف نظریں جماتی ہے)

ماں : میں نے اس سے پہلے ایک جھنڈا پھاڑ دیا تھا' تم نے دوبارہ دوسرا جھنڈا مجھے دے دیا۔

(وہ اسے اٹھاتی ہے اور لاش پر ڈال دیتی ہے)

اس عرصہ میں دور سے آتی ہوئی توپوں کی آواز اور قریب آجاتی ہے۔

مزدور : محاذ ٹوٹ گیا ہے' مجھے فوراً جانا چاہئے۔

ماں : (تندور کی طرف جاتے ہوئے) بندوق ساتھ لیتے جانا۔ ہوزے' جلدی سے تیار ہو جا۔ روٹی بھی تیار ہو گئی ہے۔

(اس دوران میں کہ جب مزدور بندوق نکالتا ہے' وہ تندور سے روٹی نکالتی ہے اور اس کو کپڑے میں لپیٹتی ہے۔ پھر وہ ان کی طرف جاتی ہے اور مزدور کے ہاتھ سے بندوق لے کر اسے مضبوطی سے اٹھاتی ہے)

نوجوان : کیا تو بھی ساتھ آنا چاہتی ہے!

ماں : ہاں' یان کی خاطر۔

(تینوں باہر چلے جاتے ہیں)

ادب کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں میں سچ اور جھوٹ' حق و باطل' نیکی و شر اچھے اور برے' اور انصاف و ظلم کے درمیان فرق کو واضح کرے اور لوگوں میں یہ شعور پیدا کرے کہ وہ ان کے درمیان اس فرق کو سمجھ سکیں۔ ایک مرتبہ جب لوگوں میں یہ شعور آجائے تو پھر ان میں اس جذبہ کو پیدا کرنا بھی ضروری ہے کہ وہ سچ' حق اور انصاف کی خاطر جدوجہد کریں' جنگ لڑیں' اور قربانیاں دیں۔ یہی جذبہ زندگی کا مقصد متعین کرتا ہے۔ خاص طور سے ایک ایسے معاشرے میں جہاں صدیوں کے ظلم و ستم نے معاشرے کو بے حس بنا دیا ہو۔ اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہیں رہی ہو' ایک ایسے معاشرہ میں جرات و ہمت پیدا کرنا ادب کا سب سے اہم کام ہے۔

یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب ادیب کی جڑیں معاشرہ میں پیوست ہوں' وہ لوگوں کے دکھوں اور تکلیفوں کو محسوس کرتا ہو اور اس کے دل میں مظلوم و غریب عوام کے لئے گہری محبت ہو' اسی وقت اس کے قلم سے ان دکھوں کا اظہار ہو گا۔ یہی وہ ادب ہوتا ہے کہ جس سے ہر فاشسٹ حکومت خوفزدہ رہتی ہے اور اس ادب کو ختم کرنے اور کچلنے کی خاطر تحریروں پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں' ادیبوں کو ملک بدر کیا جاتا ہے اور قید و بند و اذیتوں کے ذریعہ اس کے فروغ کو روکا جاتا ہے لیکن اگر ادیب اور ادب کا رشتہ عوام سے ہے تو پھر یہ ہر رکاوٹ کو توڑ کر ان تک پہنچ جاتا ہے اور ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر کر انہیں زندہ رہنے کا حوصلہ دیتا ہے۔